ہفت روزہ

الفتح

کراچی

۶- ۱۳- جنوری ۱۹۷۲ء





بھٹو، مجیب خفیہ ملاقات ـــــ اندرونی کہانی

ANWAR
SAM/.71

قیمت ۵۰ پیسے
ہوائی ڈاک سے: ۷۵ پیسے



محسن بھوپالی

مزدور کی دنیا

کانٹوں میں بھی گلزار کھلاتے ہیں یہی لوگ
کھیتوں میں زر و سیم اُگاتے ہیں یہی لوگ
اوروں کے لئے خود کو مٹاتے ہیں یہی لوگ
مِٹ کر بھی بدلتی نہیں مجبُور کی دُنیا
مزدُور کی دُنیا ہے یہ مزدور کی دُنیا

یہ اونچے مکاں اور یہ حسیں محلے دو محلے
ہیں اُن کی ہی محنت سے یہ بازار یہ میلے
جو درد ملے اُس کو یہ سہتے ہیں اکیلے
داغوں سے ہے روشن دلِ بے نور کی دُنیا
مزدور کی دُنیا ہے، یہ مزدور کی دُنیا

ناکام تمناؤں کے مارے ہُوئے دیکھو
حالات کی قبروں میں اُتارے ہُوئے دیکھو
خود اپنی ہی تقدیر سے ہارے ہُوئے دیکھو
نزدیک سے دیکھو تو کبھی دُور کی دُنیا
مزدور کی دُنیا ہے، یہ مزدور کی دُنیا

اشکوں کے ستاروں سے ہے آباد یہ بستی
آہوں کے شراروں سے ہے آباد یہ بستی
دلدوز نظاروں سے ہے آباد یہ بستی
ہے کتنی المناک یہ مزدور کی دنیا
مزدور کی دنیا ہے، یہ مزدور کی دنیا

کٹ جائیں گے دُکھ درد یہ دکھیوں کو بتادو
آئی ہے سحر نیند کے ماتوں کو جگادو
مایوس ہیں جو اُن کو یہ پیغام سُنادو
مختار بھی ہو جائے گی مجبُور کی دُنیا
مزدور کی دُنیا ہے یہ مزدور کی دُنیا



الفتح

ادارِیہ

یہ پرچم عوام کا ہے

لانڈھی میں مزدوروں کا ایک جلوس گذر رہا تھا۔ اس کے شرکاء میں سے چند نے اپنے ہاتھوں میں پیپلز پارٹی کے پرچم اٹھا رکھے تھے۔ مزدوروں نے اسے اپنے سروں سے اوپر اٹھا رکھا تھا۔ بہت سی نظریں ان جھنڈوں کو بڑے فخر سے دیکھ رہی تھیں۔ پھٹے پرانے اور بھوکے ننگے مزدوروں کی اکثریت اپنی تمام کمزوریوں اور ناتوانائیوں کے باوجود بڑی پر اعتماد تھی کہ بالآخر وہ سیٹھ داؤد تک پیپلز پارٹی کا جھنڈا اٹھا کر پہنچ ہی گئے ہیں آج وہ بہت طاقتور ہیں، سیٹھ داؤد میں زور ہے تو وہ آگے بڑھے، اپنے پرانے نمک خواروں کو مدد کے لئے پکارے اور پھر دیکھے کہ کون جیتتا ہے۔

یہ کارروان سیٹھ داؤد کا غرور نیچا کرنے آگے بڑھ رہا تھا کہ ایک کار رُکی۔ اس میں سے پیپلز پارٹی کی ایک ذمہ دار شخصیت نے اتر کر مزدوروں سے کہا کہ وہ پیپلز پارٹی کا جھنڈا لے کر نہیں چل سکتے۔ اس جلوس کو اس جھنڈے کو استعمال کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ یہ سنتے ہی بعض جسم لرز اٹھے۔ بعض جوان خون حرکت میں آئے۔ انہوں نے اس جھنڈے کو اور مضبوطی سے پکڑا اور کار والے سے کہنے لگے "یہ ہمارا جھنڈا ہے آج اسے اپنے خون سے بلند کرنے کے قابل ہوئے ہیں۔ ابھی اسے اور خون دیں گے۔ اتنا خون کہ اس کی کالے رنگ والی پٹی پر بھی خون کی لالی کا رنگ غالب آجائے۔ اس سیاہی کے مٹتے ہی تم جیسے چوہدریوں کی اس جھنڈے پر اجارہ داری ختم ہو جائے گی۔ یہ جھنڈا عوام کی امانت ہے۔ اسے کوئی نہیں چھین سکتا کوئی پہرہ نہیں بٹھا سکتا"

بظاہر یہ معمولی واقعہ ہے۔ حقیقت میں آج یہ ایک بہت بڑا سوال ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ پیپلز پارٹی کے پلیٹ فارم پر کام کرنے والے اپنے دوست اور دشمن پہچان لیں، ساتھ ہی بائیں بازو کی سوچ رکھنے والے بھی یہ جان لیں کہ اُن کا رویہ کیا ہونا چاہیے نیز ان کے دوست اور دشمن کون ہیں؟ اور آج کے حالات میں طرفین کا کردار کیا ہو کہ اس کے نتائج ملک کے مظلوم عوام کے لئے سود مند ہوں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مزدور، کسان، طالب علم، نوجوان اور مظلوم طبقہ ہی پیپلز پارٹی کی روح رواں ہے۔ انہیں نہ صرف یہ کہ اس پرچم کو بلند رکھنے کا حق حاصل ہے بلکہ وہ اس کی جانب بڑھنے اور اس سے الگ رہنے کی کوشش کرانے والے ہاتھوں کو جھٹکنے کی قدرت بھی رکھتے ہیں۔ یہ اس پارٹی کی برتری ہے کہ مزدوروں نے اس کے جھنڈے کو اپنی مشکلات کے حل کا موجب جان لیا ہے۔ لہٰذا پیپلز پارٹی کی ہائی کمان ایسے اقدامات کرے جس سے اُن افراد کی حوصلہ شکنی ہو جو اس جھنڈے کو اقتدار کی علامت بنانے پر مصر ہیں اور اس کا عوامی رنگ ماند کرنے میں دانستہ یا نادانستہ لگے ہوئے ہیں۔

دوسری بات کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو اس جھنڈے کو اُٹھا کر چلتے ہیں۔ ان میں یقیناً مخلص اور جیالے کارکن شامل ہوں گے۔ انہیں یہ دیکھنا ہوگا کہ آج ہمیں جلسے اور جلوس کی بجائے مزدوروں کے مطالبات منوانے کے لئے دوسرا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ اور وہ راستہ یہ ہے کہ مشینوں پر کام ہوتا رہے۔ پیداوار میں کمی نہ ہونے پائے بلکہ اسے انتھک محنت، قومی لگن اور تقاضوں کے تحت بڑھایا جائے۔ اتنا کام کیا جائے کہ مِل مالکان پہلے کی طرح حکومت کو مزدوروں کے مطالبات پورا کرنے کی بجائے کارخانوں کی چابیاں دیں تو حکومت وہ چابیاں ان سے وصول کرلے اور وہ مطمئن رہے کہ پیداوار متاثر نہیں ہوگی۔

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ الفتح کراچی

جلد :- ۲ شمارہ :- ۳۴

۶-۱۳ جنوری ۱۹۷۲ء

نگران
شوکت صدیقی
محمود شام

مدیر
ارشاد راؤ

معاونینِ خصوصی
ابراہیم جلیس، افضل صدیقی، عبدالحمید چھاپرا

مجلسِ ادارت
وہاب صدیقی - نعیم آروی

آرٹ ایڈیٹر
غلام نبی بزمی

	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
بدلِ اشتراک	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے	۷۵ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

بحرین، کویت :- ۶۰ فلس دوبئی قطر : ۷۵ درم
سعودی عرب : ۵ اقرش۔ انگلستان ۲ شلنگ ۶ پنس

مقامِ اشاعت
ہفت روزہ الفتح، ۸۰ ڈی، نصری کمرشل ایریا۔ پی، ای۔ سی۔ ایچ۔ ایس کراچی-۲۹

ایڈیٹر پبلشر :- ارشاد راؤ
مطبع حقی آفسٹ پریس، لیاقت آباد۔ کراچی

عکاس : الطاف رانا

تم نے سُود کو حلال اور خیرات کو نابُود کر دیا

سامع

سنو آواز آرہی ہے
یہ آواز رحمان کی ہے جو رحیم بھی ہے
یہ آواز کریم کی ہے جو مہربان بھی ہے
یہ آواز بے نیاز کی ہے جو دوست بھی ہے
یہ آواز علیم کی ہے جو خبیر بھی ہے۔
یہ آواز بردبار کی ہے جو حاضر و ناظر بھی ہے
یہ آواز خالق کی ہے جو رزق دینے والا بھی ہے
یہ آواز دانا کی ہے جو حکمت والا بھی ہے
یہ آواز عادل کی ہے جو قادر بھی ہے
یہ آواز برہان کی ہے جو غلبے والا بھی ہے۔
یہ آواز غالب کی ہے جو بگاڑ کا اصلاح کرنے والا بھی ہے۔

یہ آواز رب ذوالجلال کی ہے جو سب جہانوں کا بادشاہ ہے جو بڑا قدرتوں والا، جو بڑا نعمتوں والا، جو سب سے بڑا بدلہ دینے والا ہے۔

سُنو! یہ شاہد کی آواز ہے جو چودہ سو برس پہلے مشہود نے سُنی جسے لوح و قلم نے محفوظ کیا۔ اور جو قرآن الحکیم، فرقان الحمید کے ذریعے ہر دور میں دعوت فکر و عمل دیتی رہی تاکہ لوگ رشد و ہدایت پائیں۔ سچائی جانیں اور فلاح پائیں۔

سُنو، یہ آواز "جو لوگ سُود کھاتے ہیں۔ وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اُٹھیں گے۔ جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسا کہ سود (لینا)، حالانکہ سودے کو خدا نے حلال کیا اور سود کو حرام"۔ (سورۃ ۲ البقرآیت ۲۷۵)

سنو! سُود کو حلال کرتے والو، سُنو روپے کی گردش کو سُود میں جکڑنے والو۔ سُنو بزعمِ خویش فرزانو، سُنو ذرائع معیشت پہ غاصب قابضوں کے کاسہ لیسو قرآن کے مفہوم کو جانو، سمجھو، سنبھلو، اب بھی وقت ہے کہ تم اپنے اندھیاروں کے لئے اس ارشادِ ربانی سے کوئی روشنی کی کرن پا سکو۔ یہ کرن فرنہا قرن سے کہہ رہی ہے۔

"خدا سود کو نابُود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے"

سورۃ ۲ البقرہ آیت ۲۷۶

سُنو! تمہارے نظامِ زر نے خیرات کو نابود اور سُود کو بابرکت بنانے کا صدیوں سے ایک ایسا چکر چلا رکھا ہے کہ جس میں ایاز جب بھی گنگ تھا۔ ایاز اب بھی گنگ ہے۔ سنو! تمہارے نظامِ زر نے ایاز کو عبادت کی صفوں میں تو شانہ بشانہ کھڑا کر دیا لیکن ذرائع روزگار میں ایاز اور محمُود میں فرق کاہ و ماہ قائم رکھا۔ اور اُس معاشرے کی تشکیل کی راہ میں جس کی نشاندہی یوں کی گئی تھی کہ کوئی ہاتھ خیرات کے لئے بھی نہیں اُٹھے گا اس کی راہ میں تم نے ہمیشہ روڑے اٹکائے۔ اور سنو ایمان کا دم بھرنے والو سُنو، سب کو رزق بہم پہنچانے والا، سُنو اللہ آواز دے رہا ہے۔

سُنو! اے ایمان والو، سُود نہ کھاؤ (کہ اصل میں مل کر) دُگنا، چوگنا ہوتا چلا جائے۔"

سورۃ ۳ آیت ۱۳۰

آج ایاز نے نظامِ زر کے غزنویوں کے لات و منات پر پہلی کاری ضرب لگائی ہے۔ ایاز ہر میدان میں شانہ بشانہ سر اونچا کرکے چلنا شروع ہوا ہے۔ اب کوئی غزنوی اس کی کاکلیں نہ تراش سکے گا۔ اور اب تمہیں سوائے حسرت کے اور کچھ نہ ملے گا۔ ایاز کا آج ایک مطالبہ کہ روپے کو سُود کی گردش سے نکالا جائے۔ ایاز پکار رہا ہے، روپے کو سُود کی گردش سے نکالنے کے لئے ہر قربانی کے لئے جی جان کی بازی لگانے کو تیار ہے۔ ایاز کو پتہ ہے کہ یہ کٹھن راہ ہے لیکن ایاز اپنا ہر قطرۂ خون استحصال کی ہر شکل کو مٹانے کے واسطے بہانے پہ آمادہ ہے۔ ایاز کے بے دین پڑوسیوں نے روپے کو سُود کی لعنت سے آزاد کروا کر انسانی برادری

باقی صفحہ ۳۴ پہ ملاحظہ فرمائیں

سرورق کی کہانی

مجیب کی رہائی کی توثیق

۲۷ دسمبر ۷۱ء کو جب صدر بھٹو نے شیخ مجیب الرحمٰن سے ملاقات کی تو مجیب نے پہلا سوال یہ کیا۔ "کیا میں آزاد ہوں"۔

مسٹر بھٹو نے جواب دیا۔ "جی، آپ آزاد ہیں۔ آپ چاہیں تو ابھی باہر نکل سکتے ہیں۔ تاہم میں چاہتا ہوں کہ اس فیصلے کی عوام سے منظوری حاصل کر لوں"۔

اس بات کا انکشاف صدر بھٹو نے کراچی کے تاریخی عظیم الشان جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ عوام نے اپنے صدر کی تجویز کی منظوری دے دی۔ اور صدر نے پھر اعلان کیا کہ "میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے میرے فیصلے کی توثیق کر دی۔ میں شیخ مجیب سے کوئی سودے بازی نہیں کروں گا۔ انہیں غیر مشروط طور پر رہا کروں گا وہ پاکستانی شہری ہیں۔ وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں، اس کا دار و مدار اُن پر ہے، یہ رہائی لاڑکانہ سے واپسی کے بعد شیخ مجیب سے مذاکرات کے بعد عمل میں آجائے گی"۔

یہ تاریخی جلسہ جہاں اس فیصلے کی رو سے پاکستان کی تاریخ میں اہمیت کا حامل رہے گا۔ وہاں صدر بھٹو نے ایک اور تاریخی روایت کی بنا ڈالی ہے۔ اوّل یہ کہ انہوں نے عوام کی حاکمیت اعلیٰ کو تسلیم کیا۔ وہ چاہتے تو چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے شیخ مجیب کو رہا کر دیتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ عوام کو اعتماد میں لیا۔ اور جس اعتماد سے مجیب صاحب کو کہا تھا۔ کہ وہ آزاد ہیں اسی اعتماد کے ساتھ عوام نے صدر بھٹو سے کہا کہ آپ نے صحیح فیصلہ دیا ہے۔ ہم اسے منظوری دیتے ہیں

مسٹر بھٹو نے پاکستان کی تاریخ کے اس اہم فیصلے کی بھی عوام سے منظوری حاصل کی جو بنیادی صنعتوں کو سرکاری کنٹرول سے متعلق ہے۔ یہ دلیرانہ اور عوام دوست فیصلہ اگرچہ اخبارات کی زینت بننے سے قبل ہی عوام کے حوصلے بلند کر چکا تھا۔ تاہم عوام خوش ہیں کہ سرمایہ دار کو چت کرنے میں انہوں نے اپنے صدر کے ہاتھ اور مضبوط کر دیئے ہیں۔

اس جلسے میں ایک اہم اعلان صوبائی اسمبلیوں کے انعقاد سے متعلق ہے، جس کے بارے میں صدر صاحب نے کہا ہے کہ اس مہینے کے اندر منعقد ہوں گے، ایک اور فیصلہ ہندوستان کے حکمرانوں سے باوقار بات چیت اور مذاکرات کی پیش کش سے متعلق ہے۔

عام فوجی ہتھیار سے محروم اور افسروں کے لئے مرسڈیز کاریں

احوال واقعی

نوکرشاہی نے وزیروں کا گھیراؤ کرلیا ہے

محمود شام

نئی حکومت قائم ہوئے ۱۳ روز گزر چکے ہیں۔
مشرقی پاکستان پر بھارتی قبضہ کو ۱۷ روز گزر چکے ہیں میں یہ کالم لاہور میں لکھ رہا ہوں۔ جسے مسٹر بھٹو نے شہر ستمبر قرار دیا ہے، اور جہاں گذشتہ دنوں جناب بھٹو پہلی بار صدر مملکت کی حیثیت سے آئے۔ اکثر لوگوں کے مطابق پاکستان میں قریباً بیس برس بعد ایک منتخب سربراہ مملکت برسر اقتدار آیا ہے۔ اور ایسا شخص جس نے ملک کے اس حصے میں ایک طویل جدوجہد کے بعد انتخابات میں واضح اکثریت حاصل کی اور جسے سب سے زیادہ پنجاب میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کی وجہ اس کی آزاد خارجہ پالیسی اور پاکستان کے ازلی ابدی دشمن بھارت سے تصادم تھی اس کا اعتراف اس نے خود ۲۸ دسمبر کو پنجاب اسمبلی کے سامنے ایک جلوس سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔ کہ مجھے معلوم ہے کہ مجھے دو باتوں کی وجہ سے ووٹ ملے ہیں۔ ایک آزاد خارجہ پالیسی دوسرے بھارت سے تصادم اگر انتخابات کے بعد فوری طور پر منتخب نمائندوں کو اقتدار سونپ دیا جاتا تو شاید منتخب پارٹیاں اپنے موقفوں پر قائم رہتیں اور حالات انہیں مختلف موقف اختیار کرنے پر مجبور نہ کرتے۔ عوامی لیگ کا جو حال ہوا اور اب اس کا جو موقف ہے، وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ اور آج پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین بھی بحیثیت صدر مملکت کے حالات کی وجہ سے یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ کسی طاقت پر نکتہ چینی نہ کی جائے، روس امریکہ پر بھی اور حتیٰ کہ بھارت پر بھی نہیں، جس پارٹی کو ووٹ بھارت دشمنی کی وجہ سے ملے تھے اس کے سربراہ کو اب یہ موقف اختیار کرنا پڑا ہے اس وقت ٹیلی ویژن پر سیکورٹی کونسل میں بھٹو صاحب کی تقریر کی جو فلمیں دکھائی جا رہی ہیں۔ ان میں انہوں نے روس پر جس طرح تنقید کی ہے اور وہ تقریر جس طرح عوام سے خراج تحسین حاصل کر رہی ہے، ایسے میں روس کے خلاف نکتہ چینی پر پابندی اور روس ہمارا دوست ہے۔ قسم کے اعلانات عوام میں ذہنی انتشار ہی پیدا کر سکتے ہیں۔

اس وقت ملک کے باقی ماندہ حصے میں جو انتظامی، اقتصادی اور فوجی صورت حال ہے، وہ انتہائی خطرناک ہے اور پیپلز پارٹی کو ایک بہت بڑے چیلنج کا سامنا ہے۔ گذشتہ ہفتے اس کالم میں میں نے سرکاری انتظامی ڈھانچے کے مقابلے میں ایک مضبوط عوامی ڈھانچے کی ضرورت کا جو ذکر کیا تھا۔ دارالحکومت میں اقتدار کے ایوانوں میں گھوم پھر کر اور اپنے ان دوستوں کے چہروں کے محسوسات پڑھ کر جو ارباب اقتدار بن گئے ہیں، اور جن کے کاندھوں پر اس وقت ذمہ داریوں کے ہمالیہ پہاڑ ہیں اور انہوں نے کام کے جو طریقے اختیار کر رکھے ہیں۔ اور بیوروکریسی کے ان ہی پرانے گرگوں نے ان کا جو گھیراؤ کر رکھا ہے یہ سب کچھ دیکھ کر اس عوامی ڈھانچے کی ضرورت کا احساس اور بھی شدید تر ہو گیا ہے۔ کیونکہ وقت ہاتھ سے نکل رہا ہے۔ ہم پہلے ہی اس وقت کم از کم ایک سو برس پیچھے جا چکے ہیں، یحییٰ خان کے اڑھائی سالہ دور نے ہمیں ذلت کی پستیوں میں پہنچایا، اس کا ذمہ دار صرف یحییٰ خان یا وہ سات جرنیل نہیں ہیں، جنہیں ریٹائرڈ کر دیا گیا ہے بلکہ وہ سارا فوجی اور نوکرشاہی ڈھانچہ ہے جو اس وقت بھی موجود تھا اور اب بھی موجود ہے اور اب اس نے وزیروں کا گھیرا تنگ کر دیا ہے اور بیچارے یہ منتخب عوامی نمائندے، جنہیں لاکھوں عوام کی حمایت اور امداد حاصل ہے، وہ ان چند بیوروکریٹوں کے سامنے بے بس ہو گئے ہیں، بیوروکریٹ انہیں ایسی ایسی پٹی پڑھاتے ہیں اور ٹیکنیکل اور دفتری پیچیدگیوں کا بہانہ بنا کر ان کے ہاتھ پاؤں باندھ رہے ہیں، ایک دو وزیر اس سے یقیناً مستثنیٰ ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پہلے سے کچھ ٹھوس کام کر چکے تھے۔ اور بیوروکریسی کی چالوں سے آشنا تھے اس لئے انہیں بیوروکریسی سے نمٹنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی اور انہوں نے اپنے تمام افسروں کو لائن اپ کر رکھا ہے اور کام کئے جا رہے ہیں۔ اکثر وزیروں کو اس بات کی فکر تھی کہ انہیں کتنے کرایہ تک کا مکان لینا چاہیئے، فرنیچر کے لئے کتنے ہزار روپے کی اجازت ہے۔

جمہوری ممالک میں طریق کار یہ ہوتا ہے کہ اپوزیشن یا اقتدار میں آنے کی متوقع پارٹی پہلے سے متبادل کابینہ تیار رکھتی ہے اور اس کی روشنی میں کام بھی کرتی رہتی ہے، رپورٹیں بھی تیار کرتی ہے جب موقع آتا ہے کہ اسے حکومت سنبھالنے اور پھر چلانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی، ہم نے الیکشن میں کامیابی کے فوراً بعد پیپلز پارٹی کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ ایسی کمیٹیاں تیار کرے، یہ کمیٹیاں کچھ دیر بعد بنی تھیں اس سلسلے میں سیکرٹری مالیات سیکرٹری اطلاعات بھی مقرر کئے گئے۔ سنٹرل کمیٹی اور مختلف کمیٹیوں نے جو کام کیا۔ اس کے نتائج کا پارٹی کو از خود احساس ہوا ہوگا؛ ہم نے اس بات پر بھی زور دیا تھا کہ صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے ارکان اپنے اپنے انتخابی حلقوں کے مسائل کی رپورٹیں تیار کریں، پھر دیکھیں کہ ان میں کس مسئلے کو فوقیت دی جائے اور باقی مسائل کے حل کی کیا ترتیب ہو، یہ درست ہے کہ پارٹی کی ہائی کمان انتہائی اہم قومی مسائل اور شدید ترین بحران سے دوچار رہی اس کی مصروفیت کا رخ ادھر رہا مگر عام ارکان اسمبلی اس مصروفیت سے آزاد تھے، وہ یہ کام کر سکتے تھے۔ اور اب بھی کر سکتے ہیں۔

اس وقت ملک ایک ملبے کا ڈھیر ہے بھٹو صاحب اس حقیقت کا پہلے بھی اظہار کر چکے ہیں۔ کہ قومی خزانہ خالی ہو رہا ہے اور اب انہیں صدر مملکت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد مستند طور پر معلوم ہو چکا ہوگا۔ کہ خزانے کی کیا حالت ہے؟ غیر ملکی زرمبادلہ کتنا موجود ہے، بیرونی قرضوں کا بوجھ کس قدر ہے۔

دفاعی بجٹ کا زیادہ حصہ جنرلوں کی عیاشی پر خرچ ہوا ہے

ادائیگی کی صورت کیا ہے۔ گزشتہ جنگ جو پاکستانی قوم کے ساتھ سب سے بڑا ظالمانہ مذاق تھی۔ اس کے کیا اثرات ہیں۔ اس کے اخراجات کا بار کتنا ہے اور ہمارے ۹۰ ہزار جنگی قیدی جو بھارت کی تحویل میں ہیں، جنیوا کنونشن کے تحت ان کے تمام اخراجات کا بل ہمیں ادا کرنا ہوگا اور مشرقی پاکستان سے ہمارا جو جنگی سامان بھارت کے قبضے میں گیا، اس کی کیا تفصیلات ہیں گزشتہ ایک برس سے صنعتی پیداوار کے مفلوج ہو جانے کی وجہ سے گزشتہ سال کی آمدنی بھی نہ ہونے کے برابر ہے، یہ بھیانک صورت حال ہمارے سامنے ہونی چاہئیے اور حکومت کو بھی چاہئیے کہ قوم کے سامنے یہ حالات پیش کر دے تاکہ قوم کو احساس رہے کہ پیپلز پارٹی کو کن حالات میں اقتدار ملا ہے۔

دفاعی بجٹ اور عوام

اس کے ساتھ ساتھ یہ دیکھنے کی بھی ضرورت ہے کہ قومی خزانے پر اخراجات کا بوجھ سب سے زیادہ کس طرف سے پڑتا ہے، ہمارے بجٹ میں سب سے زیادہ حصہ دفاع پر خرچ ہوتا ہے اور قوم گزشتہ ۲۴ برس سے یہ دفاعی اخراجات برداشت کرتی آرہی ہے اکثریت بھوکی ننگی رہی مگر اس نے ملک کی سلامتی کی خاطر یہ قربانیاں دی ہیں اور مسلسل دی ہیں اب اگر دفاعی بجٹ کا جائزہ لیا جائے تو اس کا معتد بہ حصہ جنرلوں اور بریگیڈیئروں کی عیاشیوں پر خرچ ہوا خود بھٹو صاحب کو بھی ان تفصیلات کا علم ہوا ہوگا کہ غیر ملکی زر مبادلہ کی گرانٹ آلات موسیقی پر خرچ ہوئی۔ بیگمات کا آرائشی سامان خریدا گیا۔ یہ بھی سنا گیا کہ ۳۰۰ مرسڈیز کاریں درآمد کی گئیں، ذرا تصور کیجئے ایک غریب ترین ملک تین سو مرسڈیز کاریں خریدتا ہے۔ اسی طرح جنرلوں بریگیڈیئروں اور دوسرے فوجی افسروں کے بنگلوں میں فرنیچروں کی بھرمار، بجلی کا سامان، دفاعی اخراجات میں سے خریدا جاتا ہے، ان بنگلوں کے بل کئی کئی ہزار تک آتے ہیں، کیونکہ ہر کام بجلی کے ذریعے ہو رہا ہے عام فوجی اور چھوٹے افسر پاکستان کے عام شہریوں کی طرح ہی ہیں۔ تیرہ برس سے جس طرح اقتدار پر فوج کو تسلط حاصل رہا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ فوج کو ملک کے اقتصادی سرچشموں پر قبضہ حاصل رہا اور انہوں نے اپنی من مانی کی۔ ۱۹۶۹ء کے بعد یہ بات قابل ذکر ہے کہ دفاعی بجٹ میں سے دفاعی آلات اور جنگی ضرورت کا سامان خریدنے کی بجائے زیادہ تر رقم جنرلوں کی عیاشیوں پر خرچ ہوئی جس کا نتیجہ یہی کچھ ہو سکتا تھا جو ایک زبردست المیے کی صورت میں رونما ہوا۔

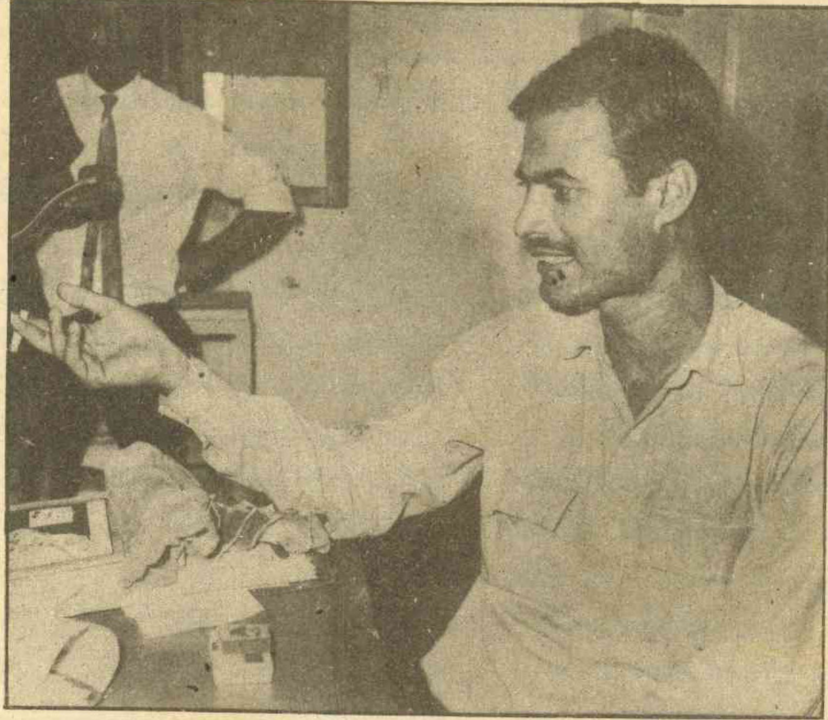
اس مالی صورت حال میں ہر سطح پر مزید قربانیوں، کفایت شعاری اور اخراجات میں کمی کی ضرورت ہے، عوام کی اکثریت اس وقت ایسی زندگی بسر کر رہی ہے کہ وہ روکھی سوکھی اور ایک وقت کی روٹی کھا کر گزارا کر رہی ہے۔ سر چھپانے کو جو جگہ مل گئی، اسی پر گزارا کر لیا یہی حال کپڑے کا ہے۔ اسے اور قربانی دینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، اس وقت اوپر کے طبقے پر پابندیوں کی ضرورت ہے اس کا مظاہرہ خود پیپلز پارٹی کے رہنماؤں اور وزیروں کو کرنا ہوگا۔ صدر نے تنخواہ نہ لینے کا اعلان کرکے ایک اچھی مثال قائم کی ہے اس سے کم از کم ۷۵ ہزار روپے سالانہ کی بچت ہوگی۔ اسی طرح وزراء کرام کی تنخواہوں میں لازمی کمی ہونی چاہئیے، ان کو اتنے بڑے بنگلے فراہم کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے ایک حقیقت یہ بھی سامنے رہے کہ وزیروں کی یہ تعداد، تنخواہ اور مراعات اس وقت کی ہیں جب ملک کے اقتصادی حالات آج کی نسبت بہت اچھے تھے، مشرقی پاکستان کی صنعتی آمدنی بھی مرکز کی آمدنی کا حصہ تھی، حالات بدل گئے ہیں۔ اقتصادی حالت سمٹ کر رہ گئی ہے، ایسے میں اگر یہ جبری کمی نہ کی گئی تو گاڑی نہیں چل سکے گی، بہت ہی نازک حالات سامنے ہیں، فوج کو از سر نو منظم کرنا ہے اور بھارتی جارحیت کے خطرات کا سامنا کرنے کے لئے ملک کو مضبوط کرنا ہے، یہ پیسہ کہاں سے آئے گا۔ اس کے لئے تمام "وڈیروں" کے اخراجات کو سرکاری اور جبری طور پر کم کرکے پیسہ بچانا ہے دوسرے ملکوں سے قرضوں کی صورت انتہائی تشویشناک ہے اور اب ہم ایک "ڈوبتی ہوئی کشتی" ہیں، کمزور ہوتا ہوا ملک ہے اس لئے ہمیں اگر کوئی ملک قرضہ دے گا۔ تو اپنی شرائط پر قرضہ دے گا۔ اس لئے اس بھیک سے حتی الوسع گریز میں ہی قومی غیرت اور ناموس کی سلامتی ہے۔ ورنہ توسیع پسند اور ہوس ملک گیری کی شکار بڑی طاقتیں حریصانہ نظریں جمائے ہوتے ہیں اور ہماری سرحدوں کو ہڑپ کرنے کی فکر میں ہیں۔

ان تمام خطرات کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہماری نظریں موجودہ برسر اقتدار طبقے پر پڑتی ہیں تو اس اعتبار سے تو خوشی ہوتی ہے کہ ایک ایسی پارٹی حکومت پر فائز ہے جس کا منشور وقت کے تقاضوں کے مطابق ہے، لیکن جب بیوروکریسی کی طرف نظر اٹھتی ہے جو پیچھے کھولے اس پارٹی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ تو خدشات بڑھنے لگتے ہیں، حکومت کے قیام کے بعد پارٹی لاپتہ ہو گئی ہے، سنٹرل کمیٹی کی میٹنگ ایک بار نہیں ہو سکی ہے۔ پارٹی کے دفاتر ویران ہو رہے ہیں۔

سرمایہ داروں سے غیر ملکی زر مبادلہ باہر سے منگوانے میں جو دقت در پیش آئی ہے اور جن ہتھکنڈوں کا انہوں نے مظاہرہ کیا ہے اس کا جواب صرف انقلابی ذرائع سے دیا جا سکتا ہے۔ ان سے نرمی یا رعایت قوم کے ساتھ مذاق ہے ان میں سے ہر عدم تعاون کرنے والے کو سخت سے سخت سزا دی جائے۔ چار پانچ کو ایسی سزا دی گئی تو باقی لوگ بھی صحیح ہو جائیں گے۔ ہم اندرونی طور پر مضبوط ہو کر ہی باہر کے حملوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اگر تیز رفتاری سے کام نہ کیا گیا، صوبوں کو خود مختاری نہ دی گئی، صنعتی اور زرعی اصلاحات فوری طور پر نافذ نہ کی گئیں تو صوبائی تعصب بھڑکانے والی قوتیں سامنے آجائیں گی۔ اس وقت سرحد اور بلوچستان جیسے علاقوں میں عوام سے رابطہ پیدا کرنے کے لئے پارٹی کی سطح پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ سرکاری عہدیداروں کے ذریعے معاملات سلجھانے کی نہیں، کیونکہ تیرہ سال میں سرکار نے عوام کے ساتھ جو کچھ کیا ہے۔ اس کی وجہ سے عوام میں اتھارٹی کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی ہے۔ خود پاکستان پیپلز پارٹی نے بھی اپنی انتخابی مہم میں اتھارٹی کے خلاف نفرت پیدا کی ہے۔ اسی لئے اب اتھارٹی سے کام لینا بے سود ہے۔ اتھارٹی کی زبان بھی لوگوں کو پسند نہیں ہے، سرکار اپنے دفتری کام کرتی رہے، عوام میں شعور پھیلانے آنے والے خطرات اور تبدیلیوں کے لئے عوام کو تیار کرنے کا کام پارٹی کے سپرد ہونا چاہئیے، وزیروں کو اس وقت وہی انتخابی تقریریں نہیں کرنی چاہئیں۔ انہیں کام سے کام رکھنا چاہئیے۔ انقلابی نعروں والی تقریریں پارٹی کے عہدیداروں کو زیب دیتی ہیں، یہ احتساب ابھی سے کر لیا گیا تو ٹھیک ہے، ورنہ حالات اور خراب ہو جائیں گے۔

متحدہ مزدور فیڈریشن کے صدر عثمان بلوچ سے ایک ملاقات

باقاعدہ فوج
پپا ہو تو عوام
جنگ آزادی سر
کرتے ہیں اور
اسٹالن گراڈ
تعمیر کرتے ہیں



'مالکان سے چابیاں لے لو، ہم پوری پیداوار دیں گے'

وہاب صدیقی

"نمائندہ حکومت قائم ہوچکی ہے۔ صدر بھٹو نے اپنی نشری تقریر میں یقین دلایا ہے کہ کارخانے بند نہیں ہوں گے اور مزدوروں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی بھی نہیں ہونے دی جائے گی لیکن ابھی تک ملز مالکان کے مزاج درست نہیں ہوئے۔ وہ پہلے کی طرح مضبوط ہیں۔ کیونکہ وہی نوکر شاہی، پولیس اور قانون موجود ہے وہی استحصالی نظام قائم ہے جو سرمایہ داروں کو لوٹ کھسوٹ اور مزدوروں کے استحصال سے ہاتھ رنگنے کی اجازت دیتا ہے موجودہ ریاستی مشینری استحصالی نظام کا گل پرزہ ہے، نوکر شاہی، پولیس اور قانون سب کا مقصد اس نظام کو برقرار رکھنا اور سرمایہ داروں کا تحفظ ہے۔ جب تک یہ نظام باقی ہے اس وقت تک محنت کشوں کے مسائل حل نہیں ہوسکتے اضطراب اور بے چینی موجود رہے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ جمہوریت اس لوٹ کھسوٹ کے نظام کو ختم نہیں کرسکتی ایک مخصوص قانون ساز اقلیت خواہ وہ کتنی ایماندار اور مخلص کیوں نہ ہو۔ جب بھی کوئی قانون بناتی ہے۔ اُس میں اس طبقے کا مفاد ضرور پوشیدہ ہوتا ہے۔ اسی لئے ہم عوامی جمہوریت کے حامی ہیں۔ کیونکہ اس میں ملک کی اکثریت، مزدور، کسان قانون بناتے ہیں، ان کا بنایا ہوا قانون اکثریت کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔" ان خیالات کا اظہار مزدور رہنما جناب عثمان بلوچ نے ایک ملاقات میں کیا جناب عثمان بلوچ متحدہ مزدور فیڈریشن کے صدر ہیں۔ ایک عرصہ سے ٹریڈ یونین کے محاذ پر مزدوروں کو منظم کرنے اور انہیں سیاسی شعور دینے کی ذمہ داریوں سے نمٹ رہے ہیں۔

مزدوروں کی برطرفیاں

جناب عثمان بلوچ نے محنت کشوں کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ "اس وقت سب سے اہم نازک اور فوری توجہ کا محتاج مسئلہ مزدوروں کی برطرفیاں ہیں، لاتعداد مزدوروں کو برطرف کردیا گیا ہے۔ اس وقت کراچی کی تمام ملز یا تو مکمل طور پر بند ہیں یا ان میں وسیع پیمانے پر مزدوروں کی چھانٹی کردی گئی ہے بعض ملوں میں شفٹ کم کردی گئی ہے یا ہر شفٹ میں سے مزدوروں کی بڑی تعداد برطرف کردی گئی ہے، حافظ ٹیکسٹائل ملز سے تین ہزار مزدوروں کو نکال دیا گیا ہے۔ العظمت ملز، زیب تن ٹیکسٹائل ملز اور ایلائٹ ٹیکسٹائل ملز میں ہر شفٹ میں سے چھانٹی کی گئی ہے گذشتہ دنوں ولیکا نے ولیکا وولن ملز سے کچے (عارضی) مزدوروں کو برطرف کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ان میں ایک سال پرانے مزدور بھی شامل کرلئے گئے۔ حالانکہ تین ماہ کی ملازمت کے بعد مزدور قانونی اعتبار سے مستقل ہوجاتا ہے۔ ان مزدوروں سے کہا گیا کہ وہ اپنا حساب لے لیں، چند مزدور میرے پاس آئے اور تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔ میں نے ان سے کہا کہ تم سیٹھ سے کہہ دو کہ ہم بلا معاوضہ کام کریں گے اور پیداوار پوری دیں گے" جب مزدوروں نے یہ موقف اختیار کیا تو ملز کی انتظامیہ نے کہا کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی تھی۔ ہم مزدوروں کو برطرف نہیں کر رہے، بلکہ انہیں دس روپے ایڈوانس دینے کے لئے بلوایا تھا۔ "سلک انڈسٹری کی حالت ٹیکسٹائل سے زیادہ خراب ہے۔ ایچ ایم سلک ملز بند

الفتح

عوام دشمن صنعتکار بیروزگاری پھیلا کر امن برباد کرنا چاہتے ہیں

ہے۔ باقی تمام سلک ملز میں صرف دو گھنٹے کام ہوتا ہے۔

مزدوروں کی برطرفیوں کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ تو برطرفیوں کے طریق کار کا بھی ذکر آیا۔ مسٹر عثمان بلوچ نے بتایا کہ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مزدوروں کو زبردستی چند دنوں کی چھٹی دی جاتی ہے اور جب وہ واپس آتے ہیں انہیں گیٹ ہی پر روک لیا جاتا ہے۔ ڈیوٹی پر نہیں لیا جاتا۔ بعض اوقات یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ مزدوروں کو مل کے احاطے میں داخل ہوتے نہیں دیا جاتا اور کہا جاتا ہے کہ آج کام نہیں ہے۔ کل آجانا۔ اس طرح سے مزدور ایک دن کی تنخواہ سے محروم ہو جاتا ہے صنعتی زبان میں اس طریقے کو "والپسی" کہا جاتا ہے۔ جناب بلوچ عثمان نے کہا کہ ملز مالکان کو "لے آف" کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے یا پھر مالکان ان دنوں کی بھی تنخواہ ادا کریں۔

انہوں نے کہا کہ جب مزدور برطرفیوں پر احتجاج کرتے ہیں تو ملز مالکان کی جانب سے جواب ملتا ہے کہ "ہم مالک ہیں، ملز ہماری ہیں، ہماری مرضی چاہے اسے چالو کریں یا بند کر دیں"۔ اب دوسرا بہانہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ مشرقی پاکستان جدا ہو جانے سے مال کی کھپت کم ہو گئی ہے۔ ٹیکسٹائل کا چالیس فیصد مال مشرقی پاکستان میں جاتا تھا۔ اس لئے ہم مل بند کرنے یا شفٹ کم کرنے پر مجبور ہیں"۔ اور پھر جب مزدور انصاف کے لئے لیبر کورٹ جاتے ہیں تو حکم ملتا ہے کہ خاموش رہیں، اس طرح مزدوروں کا مقدر لیبر کورٹ کی کرسی سے باندھ دیا جاتا ہے۔ اوّل تو لیبر کورٹ میں مقدمہ اتنے طویل عرصہ تک چلتا ہے کہ محنت کش اس سے مایوس ہو جاتا ہے۔ دوسرے لیبر کورٹ میں اتنی سکت نہیں کہ وہ اپنے فیصلہ پر عمل درآمد کروا سکے یا مالک کو مل چلانے کا حکم دے سکے۔

گذشتہ دنوں غنی ٹیکسٹائل ملز میں ہڑتال ہوئی۔ مقدمہ لیبر کورٹ میں چلا۔ عدالت نے ہڑتال کو قانونی قرار دیا۔ لیکن ملز مالکان کو ملز چلانے کا حکم نہیں دیا۔ جناب عثمان بلوچ نے نہایت افسوس سے کہا کہ مزدوروں کے ساتھ تو انتظامیہ اور لیبر کورٹ کا یہ رویہ ہے۔ دوسری جانب یہ حال ہے کہ ہڑتال قانونی ہو یا غیر قانونی، پولیس اور مقامی انتظامیہ ہمیشہ مالکان کا ساتھ دیتی ہے، پولیس زبردستی مزدوروں سے کام کرواتی ہے۔ غنی ٹیکسٹائل ملز کی ہڑتال کو اگرچہ عدالت نے قانونی قرار دے دیا۔ لیکن پولیس نے ڈنڈے مار مار کر زبردستی مزدوروں سے کام کروایا

جناب عثمان بلوچ نے کہا کہ ملز مالکان کے یہ تمام بہانے درحقیقت یہ بتا رہے ہیں کہ محنت کشوں کے حقوق کچھ نہیں۔ مزدوروں کی وقعت کچھ نہیں، وہ غلام ہیں۔ مالکان آقا ہیں۔ غلام کی مجال کیا کہ وہ اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہو اور اپنے حقوق طلب کرے وہ مزدوروں کی چھانٹی کر کے اپنی برتری جتلا رہے ہیں، برطرفیوں کا مقصد یہ بھی ہے کہ محنت کشوں کو فکر معاش میں اتنا مبتلا کر دیا جائے کہ وہ اپنے حقوق طلب نہ کر سکیں۔ اور موجودہ استحصالی نظام قائم رہے

پیداوار میں کمی

جناب عثمان بلوچ نے کہا کہ صدر بھٹو نے اپنی نشری تقریر میں زیادہ سے زیادہ پیداوار پر زور دیا ہے، لیکن سرمایہ دار اس معاملہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ پیداوار زیادہ ہو۔ کیونکہ زیادہ پیداوار کی صورت میں مال کی قیمت کم ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ کم مال پیدا کر کے وہ مصنوعی قلت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ملز مالکان گھٹیا کوالٹی کا خام مال سپلائی کرتے ہیں جس سے پیداوار میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ مسٹر عثمان بلوچ نے کہا کہ جب بھی کسی تنازعہ کا معاہدہ ہوتا ہے تو یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ مزدور پوری پیداوار دیں گے لیکن ملز مالکان زیادہ سے زیادہ منافع کمانے، مصنوعی قلت پیدا کرنے اور محنت کشوں کی برطرفی کا بہانہ تلاش کرنے کے لئے گھٹیا خام مال سپلائی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً ایسا دھاگہ دیا جاتا ہے جو بار بار ٹوٹ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جتنی بار دھاگہ ٹوٹتا ہے اتنی ہی بار مشین بند کرنی پڑتی ہے۔ نتیجتاً جو مشین سو گز کپڑا بنا سکتی ہے وہ پچاس گز بھی بمشکل دیتی ہے۔ مزدوروں نے ہمیشہ گھٹیا مال کی سپلائی پر احتجاج کیا۔ لیکن ان کی بات نہیں سنی گئی سرمایہ دار ہی کی بات کو صحیح قرار دیا گیا۔ حالانکہ حکومت اس بات کا آسانی سے یوں جائزہ لے سکتی ہے کہ وہ دیکھے کہ پہلے کونسی کوالٹی کا خام مال دیا جاتا تھا اور اب کون سا دیا جا رہا ہے۔

تالہ بندی، چھانٹی اور برطرفیاں کرنے والوں کو جیلوں میں ڈال دو

سرمایہ دار مزدوروں کے اتحاد سے ہمیشہ خوف زدہ رہتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اگر محنت کش متحد ہو گئے تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں زیر نہیں کر سکتی، چنانچہ وہ مزدوروں میں انتشار پھیلاتے، مزدور اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ طرح طرح کے حربے استعمال کرتے ہیں۔ جناب عثمان بلوچ ان حربوں پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ حال ہی میں کراچی کے ملز مالکان نے ایک نیا طریقہ نکالا ہے بنگھو پیر کی تمام ملوں میں دھاگہ بنایا جا رہا ہے، کپڑا بنانے کا شعبہ بند کر دیا گیا ہے۔ گھارو اور لانڈھی کی ملوں میں زیادہ تر صرف کپڑا بنایا جا رہا ہے، دھاگہ بنانے کا شعبہ ان ملوں میں کام نہیں کر رہا ہے اس کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ مزدوروں کا زور توڑا جائے۔ اگر مل میں دونوں شعبے کام کریں گے۔ تو مزدوروں کی تعداد زیادہ ہو گی۔ لامحالہ مزدور اتحاد طاقتور ہو گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کم مال پیدا کر کے نرخوں کو زیادہ سے زیادہ بڑھایا جائے۔

انہوں نے یہ بھی انکشاف کیا کہ ملز مالکان مشرقی پاکستان کی موجودہ صورت حال سے فائدہ اٹھا کر بنگالی اور غیر بنگالی کا سوال پیدا کر رہے ہیں مغربی پاکستانی اور مشرقی پاکستانی مزدوروں کے درمیان نفرت کی دیوار کھڑی کی جا رہی ہے۔ اور بنگالی محنت کشوں کو برطرف کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ حکومت فوراً اس مسئلہ پر توجہ دے، مزدور خواہ وہ مغربی پاکستانی ہو یا مشرقی پاکستانی سب ہی محب وطن ہیں۔

جناب عثمان بلوچ نے کہا کہ مزدور اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں نوکر شاہی بھی برابر کی شریک ہے۔ اس نے ایسے لیبر قوانین بنائے ہیں کہ ملز یا فیکٹریوں میں مزدور گروپوں میں تقسیم ہو جائیں۔ ان قوانین کا مقصد محنت کشوں کے دشمن سرمایہ دار کو بچانا ہے۔ اس کی بدترین مثال نور خان کی وہ لیبر پالیسی ہے جس کے تحت ایک ادارے میں کئی یونین بنانے کی اجازت دی گئی ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ تقریباً ہر ادارے میں دو یونین ہیں، بلکہ بعض ملز میں تعداد دو سے بھی زیادہ ہے، رشید ٹیکسٹائل ملز میں ۵ یونینیں ہیں۔ اس قانون سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ مزدوروں میں اختلاف پیدا ہو رہے ہیں، مالکان مزدوروں کی کم شعوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پاکٹ یونین بناتے ہیں اور جائز یونین کے عہدیداروں پر غنڈہ گردی کا الزام لگا کر برطرف کر دیتے ہیں، ولیکا سیٹھ بھی ولیکا ملز میں پاکٹ یونین بنانے کی کوشش کر رہا ہے ایک نام نہاد مزدور رہنما ولیکا کی مدد کر رہے ہیں، ۱۹۵۶ء اور فروری ۱۹۷۱ء میں ولیکا ملز سے برطرف ہونے والے مزدوروں کو ساتھ ملایا جا رہا ہے مسٹر عثمان بلوچ نے پُر زور مطالبہ کیا کہ یہ قانون فوراً منسوخ کر دیا جائے ایک ادارے میں صرف ایک ہی یونین ہو اور محنت کش اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق اپنی نمائندہ یونین بنائیں۔

موجودہ قوانین کی رو سے پانچ افراد مل کر یونین کے قیام کی درخواست دیتے ہیں، ملز مالکان کو جیسے ہی اس واقعہ کی اطلاع ملتی ہے۔ وہ ان افراد کو برطرف کر دیتے ہیں، یا طرح طرح سے ہراساں کرتے ہیں۔ قانون میں یہ ترمیم ہونا چاہیئے جس دن پانچ افراد یونین کے قیام کے لئے درخواست دیں۔ اسی دن سے مالکان سے برطرفی کا اختیار سلب کر لیا جائے۔ اس کے علاوہ یونین کو بلا تاخیر رجسٹرڈ کر لیا جائے۔

مسٹر عثمان بلوچ نے کہا ملک کی موجودہ معاشی بحران، مزدوروں کے مسائل اور سرمایہ داروں کی بدعنوانیوں کا خاتمہ تو صرف موجودہ استحصالی نظام کو ختم کرنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن عبوری طور پر یہ اصول بنا لیا جائے۔ کہ جو ملز مالکان بدعنوانی کریں وہ مل مزدوروں کی تحویل میں دے دی جائے۔ یہ کہنا بالکل پاگل پن اور حماقت کا ثبوت ہے کہ مزدور اچھے منتظم نہیں ہو سکتے۔ جب مزدور دھاگہ بنا سکتا ہے، کپڑا تیار کر سکتا ہے، خام ۔ل

حکومت مزدور سے

تعاون کرے، مزدور

حکومت سے تعاون

کرنے کو تیار ہے۔

کو خوبصورت مصنوعات میں ڈھال سکتا ہے تو وہ منتظم کیسے نہیں ہو سکتا ہے، محنت کشوں سے زیادہ محب وطن کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس طبقے نے اپنے وطن سے کبھی غداری نہیں کی، اگر ملز مزدوروں کے کنٹرول میں دے دیئے جائیں۔ تو وہ نہ صرف پیداوار اور زر مبادلہ میں اضافہ کریں گے بلکہ مصنوعات کی کوالٹی بھی اعلیٰ ہو گی۔ اس کے علاوہ جن مشینوں کو سرمایہ دار نوکر شاہی کی ملی بھگت سے بے قرار دیتے ہیں، مزدور ان مشینوں کو بھی درست کر دیں گے، اس کا تجربہ ہمیں ولیکا ملز میں ہوا، جب ولیکا ملز پر قبضہ کیا گیا۔ تو مالکان نے بجلی اور پاور کاٹ دی، تمام مشینوں میں کرنٹ پھیلا دیا۔ لیکن مزدوروں نے ۸ سے ۱۱ بجے کے دوران ہی ان تمام چیزوں کو درست کر دیا، پرانی مشینوں کو تین گھنٹوں میں درست کر کے پوری مل چالو کر دی تمام رجسٹر درست کئے، کلرکوں نے بھی تعاون کیا۔ باقاعدہ حاضری کے رجسٹر میں اندراج کیا گیا۔ اس کے علاوہ خام مال اور تیار شدہ مال کے گوداموں پر پہرہ لگا دیا کہ مال کا زیاں نہ ہو، یہ تمام اقدامات اس بات کا ثبوت ہیں کہ مزدوروں میں نہ صرف مل چلانے کی اہلیت ہے بلکہ وہ ملز مالکان سے زیادہ ملکی مفاد کو پیش نظر رکھتا ہے۔

انہوں نے کہا کہ جن ملوں کو مزدوروں کے کنٹرول میں دیا جائے، ان کے مالکان کو منافع کا مناسب حصہ دیا جائے اور وہ رقم اتنی ہو کہ وہ مناسب زندگی بسر کر سکیں۔

مزدوروں کو ہتھیار دیئے جائیں

جناب عثمان بلوچ نے پُر زور الفاظ میں کہا کہ مزدوروں کے مسائل صرف ملز تک محدود نہیں، پورا ملک ان کا ہے۔ اندرونی اور بیرونی دشمنوں پر کڑی نگرانی رکھنا، منافع خوروں استحصالی طبقوں اور لوٹ کھسوٹ کرنے والوں کا احتساب کرنا بھی مزدوروں کے فرائض میں داخل ہے۔ استحصالی طبقوں نے مشرقی پاکستان کے عوام کا استحصال کیا اور اب یہی طبقے ان کے خلاف نفرت پھیلا رہے ہیں، محنت کشوں کی قومی ذمہ داری ہے کہ وہ استحصالی طبقوں کے خلاف جہاد کریں۔ سرمایہ داروں جاگیرداروں اور نوکر شاہی کا احتساب کر کے استحصال سے پاک معاشرہ تعمیر کریں تاکہ اپنے مشرقی پاکستانی بھائیوں کو بھارتی توسیع پسندوں کے چنگل سے آزاد کرا سکیں۔ اور مغربی پاکستان کی سرحدوں کا تحفظ بھی کر سکیں، مشرقی پاکستان کو آزاد کرانے کے لئے لازمی ہے کہ عوامی فوج بنائی جائے۔ مزدوروں کو ہتھیار دیئے جائیں جب اندرا گاندھی چھ ماہ میں مکتی باہنی کو تربیت دے سکتی ہے تو پاکستان کے محنت کش، مزدور، کسان اور عوام کو بھی چھ ماہ کی تربیت دے کر عوامی فوج بنائی جا سکتی ہے۔ جناب عثمان بلوچ نے عوامی فوج کے قیام پر زور دیتے ہوئے کہا کہ تاریخ بتاتی ہے کہ جب باقاعدہ فوج پسپا ہو جاتی ہے تو جنگ آزادی عوام ہی لڑتے ہیں، فرانس، بلغاریہ، پولینڈ، چین، ویت نام اور الجزائر کی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں، عوام ہی اسٹالن گراڈ بناتے ہیں اور جو قوم ہتھیار بند ہو تو وہ نہ صرف اپنے دشمنوں سے باخبر ہو جاتی ہے۔ بلکہ وہ باوقار، خوشحال اور باعزت زندگی بھی بسر کرنے لگتی ہے

الفتح کراچی

انقلابی ترانہ

فارغ بخاری

آؤ مزدورو، دہقانو
آؤ ہمارے ساتھ

پو پھوٹی، وہ ہوا سویرا — دُور ہُوا سفاک اندھیرا
اُجڑا اہلِ شر کا ڈیرا — ٹوٹا زرداروں کا گھیرا
آؤ محنت کش انسانو!
آؤ مزدورو، دہقانو
آؤ ہمارے ساتھ

اس دھرتی کے مالک تم ہو — رہبر تم ہو، سالک تم ہو
غلہ دانہ، کپڑا لتا — ہر اک چیز کے خالق تم ہو
جاگ اُٹھو، برباد گھرانو
آؤ مزدورو، دہقانو
آؤ ہمارے ساتھ

ملیں تمہاری کھیت تمہارے — تم نے سارے کاج سنوارے
تم ہو ہر تخلیق کے دھارے — چمکو بن کر چاند ستارے
بھوکے ننگے تشنہ دہانو
آؤ مزدورو، دہقانو
آؤ ہمارے ساتھ

تخت و تاج تمہارا ہے اب — آؤ راج تمہارا ہے اب
کل ان کا تھا لیکن یارو — سب کچھ آج تمہارا ہے اب
بڑھتے آؤ اب دیوانو
آؤ مزدورو، دہقانو
آؤ ہمارے ساتھ

تم ہی ہمارا مان ہو پیارو — تم ہی وطن کی جان ہو پیارو
تم ہو خالق کھلیانوں کے — تم ہی پاکستان ہو پیارو
قوم کی عزت کے پروانو
آؤ مزدورو، دہقانو
آؤ ہمارے ساتھ

آؤ مل کر حلف اُٹھائیں — قوم کا بیڑا پار لگائیں
آزادی کے نغمے گائیں — اُجلا پاکستان بنائیں
آؤ بارہ کروڑ انسانو
آؤ مزدورو دہقانو
آؤ ہمارے ساتھ



پاکستان پیپلز پارٹی کا منشور

بنک، انشورنس، جہازرانی اور موٹر سازی قومی ملکیت قرار دے دیئے جائیں گے

زیادہ سے زیادہ ۵۰ ایکڑ سے ۱۵۰ ایکڑ زرعی زمین رکھنے کی اجازت ہوگی

دسمبر ۱۹۷۰ء میں پہلی بار پاکستان میں عام انتخابات ہوئے انتخابات میں حصہ لینے والی تمام سیاسی پارٹیوں نے عوام کے سامنے اپنا انتخابی منشور پیش کیا تھا۔ اور عوام سے ان پر عمل درآمد کے وعدے کئے تھے۔ الیکشن کے نتائج کی صورت میں مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ اور مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی دو صوبے پنجاب اور سندھ میں اکثریتی پارٹی کی حیثیت سے ابھری پیپلز پارٹی نے بھی عوام کے گوناگوں مسائل کے حل کے سلسلے میں کچھ وعدے کئے ہیں۔ یہ موقع ہے کہ ان وعدوں کو یاد دلایا جائے تاکہ عوامی سطح پر کئے گئے وعدے سرکاری سطح سے پورے کئے جائیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیاد چار اصولوں پر رکھی گئی ہے

(الف) اسلام ہمارا دین ہے۔

(ب) جمہوریت ہماری سیاست ہے

(ج) سوشلزم ہماری معیشت ہے۔

(د) تمام طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے منشور میں کہا گیا ہے کہ پاکستان کا اقتصادی اور سماجی نظام جاگیرداری، نوکر شاہی اور فوجی جنتا کی بالادستی پر قائم ہے۔ پاکستان سامراجی اور جدید نوآبادیاتی طاقتوں کا کیمپ بن گیا ہے۔

تقسیم کے وقت سے مشرقی پاکستان نے برآمدات کی پیداوار میں عظیم کردار ادا کیا ہے جب کہ مرکزی حکومت کے زیادہ اخراجات مغربی حصے میں صرف ہوتے ہیں۔ سیاسی اقتدار بھی ہمیشہ مغربی پاکستان کے پاس رہا مغربی پاکستان کا آج تک بہیمانہ طریقہ سے استحصال کیا جاتا رہا۔ اس جبر و تشدد اور استحصال کے خلاف احتجاج کرنے والوں کو "غدار" کہنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ نہ ہی انہیں "خراب مسلمان" کا نام سے حالات درست ہوں گے استحصال کے خلاف ان کا احتجاج فطری اور حقیقت پر مبنی ہے۔

پاکستان کے عوامی مسائل سوشلسٹ پروگرام کی بنیاد پر حل کئے جائیں گے۔ استحصال اور سامراجی ملکوں کی مداخلت کا خاتمہ کر کے ملک کے لئے ایک نیا اقتصادی اور سماجی ڈھانچہ تیار کرنا ہوگا۔ سوشلزم کے ذریعہ طبقاتی سماج کا خاتمہ، سماجی اور اقتصادی انصاف کی بنیاد پر جمہوریت کی بحالی اور شہریوں کے درمیان صحیح مساوات قائم کرنا۔ اسلام کے زریں اصولوں کو عملی جامہ پہنایا جائے گا۔

خارجہ پالیسی

آزاد خارجہ پالیسی ہوگی، سیٹو اور سنٹو جیسے معاہدے سے علیحدگی اختیار کی جائے گی۔ کشمیر کی آزادی کی جدوجہد جاری رہے گی۔ امریکی سامراج سمیت تمام بڑی طاقتوں کو پاکستان کے معاملات میں مداخلت کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی۔ پاکستان ان تمام قوموں کی حمایت کریگا جو سامراج کے خلاف اپنی آزادی اور بقا کی جدوجہد میں مصروف ہیں، پاکستان خاص طور پر ویت نام کے انقلابی عوام کی حمایت کرے گا۔ جو بہادری سے سامراج کی جارحیت کا مقابلہ کر رہے ہیں مشرق وسطیٰ میں، ایشیاء افریقہ کے تمام آزادی پسند ملکوں کی جدوجہد آزادی کی حمایت کی جائے گی۔ دولت مشترکہ سے علیحدگی اختیار کی جائے گی۔

بھارت سے اس وقت تک مقابلہ جاری رہے گا جب تک کشمیر، فرخا براج اور بیروباری جیسے اہم مسائل حل نہیں کئے جاتے۔

مسلم ممالک سے خصوصی تعلقات قائم کئے جائیں گے۔ اسرائیل کے خلاف عرب ملکوں اور فلسطینی حریت پسندوں کی حمایت کی جائے گی۔

لاؤس کمبوڈیا، اور ایسے تمام ملکوں کی امریکی سامراج کے خلاف جدوجہد آزادی کی بھرپور حمایت کی جائے گی۔

معاشی پروگرام

ملی جلی معیشت کو فروغ دیا جائے گا۔ پبلک سیکٹر کو بھی قائم رکھا جائے گا۔ نجی کاروبار کی بھی اجازت ہوگی اجارہ داری ختم کر دی جائے گی تاکہ پرائیویٹ کاروبار مقابلہ کے اصولوں پر کام کر سکیں، بڑی صنعتیں اور بڑی سرمایہ داری قومی زندگی میں مثبت کردار ادا نہیں کرتی وہ محنت کشوں کا استحصال کر کے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے میں دلچسپی لیتی ہے۔

سیٹو، سنٹو سے علیحدگی اور امریکی سامراج کے خلاف بھرپور جدوجہد کی جائیگی

مندرجہ ذیل تمام کلیدی صنعتیں قومیائی جائیں گی ۔

۱ لوہا اور فولاد
۲ بھاری انجینیرنگ
۳ مشین ٹولز
۴ کیمیکلز
۵۔ جہاز رانی
۶۔ موٹر سازی
۷۔ تمام برقی الات۔ برقی پیداوار، اس کی تقسیم اور استعمال
۸ الیکٹرونکس
۹ اسلحہ، اسلحہ ساز فیکٹریاں
۱۰ سیمنٹ
۱۱ کاغذ
۱۲ تمام بنک اور انشورنس کی کمپنیاں
۱۳ ٹیکسوں کے موجودہ نظام میں انقلابی تبدیلیاں کی جائیں گی ۔

زرعی اصلاحات

(الف) جاگیرداری ختم کر دی جائے گی ۔

(ب) سوشلزم کے اصولوں پر کسانوں کے مفادات کا تحفظ کیا جائے گا۔

(ج) زیادہ سے زیادہ ۵۰ ایکڑ سے ۱۵۰ ایکڑ تک زرعی زمین رکھنے کی اجازت ہوگی ۔

(د) اپنی مدد آپ کی بنیاد پر امداد باہمی کے اصول کو فروغ دیا جائے گا۔

(ر) اجتماعی کاشتکاری کو فروغ دیا جائے گا۔

(س) بے زمین کسانوں میں زمین تقسیم کی جائے گی

(ش) سوشل کواپریٹو فارم کا قیام

(ص) مشرقی پاکستان میں طوفانوں اور سیلابوں کی روک تھام

محنت کشوں کے حقوق کی بحالی

(۱) محنت کشوں کو ان کی اہلیت اور تعلیم کی بنیاد پر روزگار فراہم کیا جائے گا۔

(۲) بڑی بڑی صنعتوں کو قومیانے کے بعد مالکان کو منیجر یا ڈائرکیٹر کی حیثیت سے کام کرنے کا حق دیا جائے گا۔ اور انہیں منافع کا ایک مقررہ حصہ بھی دیا جائے گا۔

۳ مزدوروں کو یونین سازی کا پورا حق حاصل ہوگا۔ صنعت کے تمام سیکٹروں میں یونین سازی کو فروغ دیا جائے گا۔ مزدوروں کے مفادات کو تحفظ دیا جائے گا۔

۴۔ کارخانوں کے منافع میں مزدوروں کو بھی شریک کیا جائے گا۔

(۵) مزدوروں کو رہائش کے اور آمد و رفت کی سہولت دی جائے گی۔

۶۔ ان کی چھٹیوں اور تفریح کا انتظام کیا جائیگا۔

۷۔ مفت طبی سہولت فراہم کی جائے گی۔

۸ مزدوروں کے بچوں کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام کیا جائے گا۔

۹ مزدوروں کی اجرت، معیار زندگی کے مطابق رکھی جائے گی۔

انتظامی اصلاحات

تمام سرکاری نیم سرکاری محکموں اور دفاتر کو صاف ستھرا اور بامقصد بنانے کے لئے انقلابی اصلاحات کی جائیں گی۔ سرکاری ملازمین اور افسران اعلیٰ آقا بننے کی بجائے عوام کے خادم ہوں گے۔ رشوت خوری اقربا پروری اور دوسری برائیوں کا قلع قمع کیا جائے گا۔ پوری انتظامی مشینری کو سوشلسٹ پروگرام کی بنیاد منظم کیا جائے گا۔ جیلوں کی اصلاحات پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔ جیل کے بدعنوان اور ظالم حکام کو معطل کیا جائے گا۔ جیلوں کے اندرونی حالات بدلے جائیں گے۔ قیدیوں کو بہتر خوراک اور طبی سہولت دی جائے گی۔ ان کے مقدمات کے فیصلے جلد از جلد کئے جائیں گے۔ ان سے غیر انسانی سلوک کی وحشیانہ روایت فوراً ختم کی جائے گی۔ نئے اور عادی مجرموں کے درمیان امتیاز برتا جائے گا۔ قیدیوں کی نظربندی کے دوران ان کی تعلیم و تربیت کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا تاکہ جب وہ جیل سے باہر نکلیں تو انہیں معاشرے میں باعزت زندگی گذارنے کا موقع مل سکے۔

تعلیم اور کلچر

تعلیم میٹرک تک مفت دی جائے گی۔ پرائمری تک تعلیم مفت اور جبری طریقہ سے دی جائے گی۔ ۵ سالہ اصلاحات کے ذریعہ تعلیم کے میدان میں انقلابی تبدیلیاں عمل میں لائی جائیں گی۔ اساتذہ تربیت یافتہ ہوں گے اساتذہ کو مفت رہائشی سہولت دی جائے گی۔ ان کے بچوں سے سکنڈری اسکول بورڈنگ کی فیس نہیں لی جائے گی۔ سکنڈری اسکولوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے گا۔ پرائمری اسکولوں کے امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے طلبا کو اسکالرشپ دیئے جائیں گے۔ طلبا اور اساتذہ کو ہر طرح سے پیشہ ورانہ آزادی حاصل ہوگی۔

اظہار خیال کی آزادی

خیال کے اظہار سے نہیں روکا جاسکتا۔ یہ انسان کا بنیادی اور پیدائشی حق ہے۔ طلباء عوام اور دانشوروں کو اظہار رائے اور تحریر و تقریر کی مکمل آزادی ہوگی ایسے تمام کالے قوانین ختم کئے جائیں گے۔ جو زباں بندی کے لئے لاگو کئے گئے ہیں۔

صحت عامہ کی پالیسی

(۱) پاکستان کے ہر شہری کو اچھی صحت برقرار رکھنے کا بنیادی حق حاصل ہوگا۔

(۲) شہری کو ہر قسم کے امراض سے بچانے کا معقول انتظام کیا جائے گا۔

(۳) بچوں اور نوجوانوں کی صحت پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔

۴ محنت کشوں اور کسانوں کی صحت و تندرستی پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔ محنت کش طبقے سے تعلق رکھنے والے تمام افراد کی ذہنی، جسمانی اور سماجی کارکردگی کے اضافہ میں خصوصی دلچسپی لی جائے گی۔

۵ جسمانی طور پر ناکارہ ہونے والے تمام افراد کی آبادکاری کی جائے گی اور انہیں ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائی جائے گی۔

دستوری اصلاحات

(الف) مکمل جمہوریت
(ب) پارلیمانی حکومت
(ت) وفاقی نظام
(ث) لوکل سلف گورنمنٹ
(ج) آزادی فکر
(د) تمام طاقت کا سرچشمہ عوام ہوں گے

پاکستان کے خلاف امریکہ اور روس کا گٹھ جوڑ

ماسکو اعلانیہ ۔۔۔ واشنگٹن پردے سے ڈوریاں ہلاتا رہا

ایشیائی حصار کی خطرناک سازش کا پہلا شکار ۔ مشرقی پاکستان

الفتح رپورٹ

۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو مشرقی پاکستان پر سوویت ترمیم پسندوں، بھارتی توسیع پسندوں کے تسلط اور خلیج بنگال میں امریکی بحری بیڑے کی موجودگی سے چین کا گھیراؤ ہو چکا ہے جان فاسٹر ڈلس کا "ایشیائی حصار" کا تصور حقیقت بن چکا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس تصور کو حقیقت کا روپ دینے کے لئے ماسکو اعلانیہ کام کرتا رہا اور واشنگٹن پردے میں بیٹھ کر ڈوریاں ہلاتا اور شہ دیتا رہا۔

جان فاسٹر ڈلس نے اپنی زندگی کے آخری کئی برس "ایشیائی حصار" کے منصوبے پر صرف کئے سیٹو سنٹو اسی منصوبے کی ایک کڑی ہیں، لیکن یہ معاہدے چین کے گرد حصار قائم کرنے میں ناکام رہے اب یہ معاہدے بالکل مردہ ہو چکے ہیں۔ لیکن دوسری جانب بین الاقوامی سیاست نے نیا رخ اختیار کیا۔ سوویت حکمرانوں نے بین الاقوامی کمیونسٹ راہ عمل سے غداری کرتے ہوئے ترمیم پسندی کی راہ اختیار کی ۔ وہ قول میں سوشلسٹ اور عمل میں سامراجی بن گیا۔ یعنی سوشل سامراجی ہو گیا۔ سوویت یونین اور امریکی سامراج کے درمیان دوستی فروغ پاتی رہی، خروشچیف بھی چین کے بڑھتے ہوئے اثرات سے خائف تھے۔ انہوں نے بھی چین کے گھیراؤ کے منصوبے پر عمل شروع کر دیا۔ جیسے "ایشیائی اجتماعی تحفظ" کا نام دے کر سوویت کمیونسٹ پارٹی کے سیکرٹری برزنیف نے واضح شکل دی ۔ روسی وزیر اعظم کوسیجن نے اسی سلسلے میں بھارت کے دورے کئے۔ ۹۔ اگست ۱۹۷۱ء کو سوویت یونین اور بھارت کے درمیان ہوئے والا بیس سالہ "دوستی، امن اور تعاون کا معاہدہ" "ایشیائی اجتماعی تحفظ کے نظام" کی آخری کڑی تھا۔

سوویت یونین اعلانیہ اپنے منصوبے پر کام کرتا رہا۔ البتہ امریکی سامراج نے اپنی سرگرمیاں در پردہ رکھیں جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء میں چین کی غیر مشروط اور بھرپور امداد پاکستانی عوام کے دل جیت چکی تھی، سیٹو اور سنٹو کی قلعی کھل چکی تھی۔ عوام میں امریکی سامراج کے خلاف بڑھتی ہوئی نفرت کے پیش نظر رسوائے زمانہ امریکی ادارے نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور "آزادی" کا منصوبہ بنایا۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ویت نام، لاؤس اور کمبوڈیا میں اپنا قبرستان بنوانے کے بعد جنوب مشرقی ایشیا میں امریکی کو فوجی اڈے کی ضرورت تھی۔ مشرقی پاکستان سب سے مناسب جگہ تھی، منصوبہ یہ تھا کہ ۱۰۔ اگست ۱۹۶۹ء کو صبح دس بجے مشرقی پاکستان اپنی آزادی کا اعلان کر دے گا، ۱۱ اگست ۱۹۶۹ کو صبح دو بجے انڈونیشیا، امریکہ اور دوسرے امریکی دوست ممالک آزاد بنگال کو تسلیم کر لیں گے ۹ بجے صبح (۱۱۔ اگست) کو آزاد بنگال کے دوست ممالک اپنے فوجی دستے اتار دیں گے اور مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان تمام راستے اور رابطے منقطع کر دیئے جائیں گے۔

اتفاق سے سی آئی اے کی یہ خفیہ دستاویز نیشنل عوامی پارٹی کے صدر مولانا عبدالحمید بھاشانی کے ہاتھ لگ گئی۔ انہوں نے یکم نومبر ۱۹۶۹ء کو ڈھاکہ پریس کلب میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اس خفیہ منصوبے کا انکشاف کیا۔ مولانا بھاشانی نے یہ بھی بتایا کہ انہوں نے اس خفیہ دستاویز کی نقلیں صدر پاکستان (یحییٰ خان) اور صوبائی گورنر کو ضروری اقدامات کے لئے روانہ کر چکے ہیں، حکومت پاکستان نے مولانا بھاشانی کے بیان پر کوئی تبصرہ کیا اور نہ ہی کوئی تردید کی۔ ہفت روزہ الفتح نے اپنے ذرائع سے خفیہ دستاویز کی ایک نقل حاصل کی اور ۲۴ ستمبر ۱۹۷۰ء کے شمارے میں شائع کی۔ لیکن حکومت پھر بھی خاموش رہی۔ ظاہر ہے کہ حکومت مصلحت پسندی کا شکار ہو گئی اور اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ امریکی حکومت سے سخت "احتجاج" ہی کر سکے۔ حکومت کی مجرمانہ خاموشی اس بات کی عکاس تھی کہ اُسے وطن عزیز کی سالمیت سے کوئی دلچسپی نہیں۔ "سالمیت" نظریہ پاکستان" اور "اسلام" کا نعرہ محض اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لئے لگائی ہے، وہ سامراج کی پروردہ ہے، مولانا مفتی محمود نے ۱۹۷۰ء میں کراچی پریس کلب میں اخباری نمائندوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ "آج تک پاکستان کوئی بھی ایسی حکومت برسراقتدار نہیں آئی جسے امریکی سامراج کی حمایت حاصل نہ ہو

۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کی گئی۔ امریکی سامراج اور سوویت ترمیم پسندوں کو چین کا گھیراؤ کرنے اور مشرقی پاکستان کو پاکستان سے علیحدہ کرنے کا موقع مل

اخبارات کو امریکہ کے خلاف کچھ نہ لکھنے کی ہدایت

گیا۔ مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کا ردعمل مختلف ملکوں میں مختلف ہوا۔

• امریکی وزارت خارجہ نے ایک بیان جاری کیا۔ جس میں سیاسی حل پر زور دیا گیا۔

• سوویت یونین کے صدر پوڈگورنی نے صدر یحییٰ کے نام ایک خط میں حکومت پاکستان کے اقدام پر بڑی گستاخانہ نکتہ چینی کی۔

• بھارتی حکومت نہ صرف مشرقی پاکستان کی سرحدوں پر اپنی فوجیں جمع کر دی بلکہ اپنے فوجیوں کو شہری لباس پہنا کر انہیں توڑ پھوڑ اور تخریبی کارروائیوں کے لئے مشرقی پاکستان بھیج دیا

• برطانیہ نے اپنی ناراضگی کا ثبوت اس طرح دیا کہ ملکہ برطانیہ کی سالگرہ کی تقریب کے لئے دعوت نامے جاری کر دیئے۔ بعد میں مشرقی پاکستان کے بحران کی وجہ سے وہ تقریب ملتوی کر دی گئی

ہوا کا رُخ بتا رہا تھا کہ یہ چار طاقتیں کیا چاہتی ہیں۔ پاکستان کی سلامتی خطرے میں پڑ چکی تھی۔ لیکن یحییٰ فوجی حکومت نے مجرمانہ خاموشی اختیار کی۔ جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء میں یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ بھارتی جارحیت کی صورت میں پاکستان مشرقی پاکستان کا دفاع نہیں کر سکتا۔ یحییٰ فوجی حکومت نے مشرقی پاکستان کا دفاع مضبوط بنانے میں کوئی کوشش نہیں کی صرف پانچ ڈویژن فوج ہی کو کافی سمجھا، چین کی بھرپور اور غیر مشروط حمایت کے باوجود اس سے کوئی دفاعی معاہدہ نہیں کیا گیا، حالانکہ جب بھارت نے سوویت یونین سے معاہدہ کیا تھا۔ تو عوام نے چین سے معاہدہ کرنے کا پُرزور مطالبہ کیا تھا۔ عوام کا یہ مطالبہ یہ کہہ کر مسترد کر دیا گیا کہ چین سے ہمارے تعلقات اتنے زیادہ ہیں کہ ہمیں کسی معاہدے کی ضرورت نہیں، یہ دلیل حماقت پن کا ثبوت تھی۔ سیاست کا ایک طالب علم بھی جانتا ہے کہ ہر ملک کی بین الاقوامی ذمہ داریاں ہوتی ہیں، معاہدے کے بغیر کسی کی مدد کے لئے فوج نہیں بھیجی جا سکتی، چین سے معاہدہ اس لئے نہیں کیا گیا کہ اس سے امریکہ ناراض ہو جاتا۔ جنگ شروع ہو جانے کے بعد بھی حکومت سیٹو اور سنٹو کو پکارتی رہی، اور اس کے مردے تن میں جان ڈالنے کے لئے اصرار کرتی رہی۔

حالیہ جنگ میں سوویت یونین نے اعلانیہ بھارت کا ساتھ دیا۔ اقوام متحدہ میں جنگ بندی کی قرارداد کے سلسلے میں اس نے چار مرتبہ ویٹو استعمال کیا۔ دوسری جانب بھارتی بحریہ کی میزائل بردار کشتیاں، روسی ماہرین چلا رہے تھے۔ ۹ دسمبر کو کراچی کی بندرگاہ میں کھڑے ہوئے غیر ملکی تجارتی جہازوں پر میزائلوں سے جو حملہ کیا گیا۔ برطانوی خبر رساں ادارے رائٹر کی اطلاع کے مطابق اُن میزائل بردار کشتیوں کو روسی ماہرین چلا رہے تھے، ۲۷ دسمبر کو پاکستانی فضائیہ کے کمانڈر انچیف ائیر مارشل رحیم خان نے یہ انکشاف کیا "بھارت نے جنگ کے دوران جو الیکٹرانک گائیڈڈ طیارے استعمال کئے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں روسی یا روسی اور بھارتی مل کر چلا رہے تھے، ان روسی ساخت کے طیاروں نے بھارتی کینبرا طیاروں کی مدد کی تھی۔ ان طیاروں میں تین سے چار سو میل کے فاصلے ہی سے انتباہ کرنے والا وارننگ سسٹم نصب تھا۔ بھارت نے یہ طیارے صرف دو ماہ قبل حاصل کئے تھے۔ ان کا نظام اتنا پیچیدہ ہے کہ بھارتی ہوابازوں کے لئے دو ماہ کے عرصے میں انہیں چلانے کی مہارت حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہے"

مشرقی پاکستان میں
فوجی کارروائی سے
بھارت اور روس نے
پورا فائدہ اٹھایا

دوسری جانب امریکہ تھا۔ وہ بظاہر پاکستان کی حمایت کر رہا تھا۔ جنگ بندی کی قرارداد میں پاس کروانے پر زور دے رہا تھا۔ اچانک خبر آئی کہ "امریکہ کا ساتواں بحری بیڑہ خلیج بنگال کی طرف روانہ ہونے والا ہے۔ اور صدر نکسن نے اندرا گاندھی کے نام ایک پیغام میں پاکستان کے سلسلے میں امریکہ کے معاہداتی فرائض کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امریکہ پاکستان کی مدد کرنے کا پابند ہے" سرمایہ داروں کے اخبارات نے اس خبر کو اس طرح جلی الفاظ میں شائع کیا کہ جیسے امریکہ نہیں تائید خداوندی آ رہی ہے جسارت نے اپنے اداریئے میں اسے تائید خداوندی قرار دیا۔ اور ریڈیو پاکستان اپنی خبروں کے ہر نشریہ میں بتلانے لگا کہ "امریکہ کا ساتواں بحری بیڑہ ایٹمی ہتھیاروں سے لیس خلیج بنگال کی طرف بڑھ رہا ہے" پھر دو دن تک پاکستانی عوام کو یہ مژدہ سنایا جاتا رہا کہ امریکی بیڑہ خلیج بنگال میں داخل ہو کر چاٹگام کی طرف بڑھ رہا ہے لیکن شاید وہ بحری بیڑہ چیونٹی کی چال چل رہا تھا۔ کہ وہ چاٹگام سے دو دن کی دوری پر ہی تھا کہ مشرقی پاکستان پر بھارتی توسیع پسندوں کا قبضہ ہو گیا۔

•• اب یحییٰ حکومت کی امریکہ نوازی ملاحظہ فرمائیں۔ یحییٰ خان نے ۱۶ دسمبر کی اپنی نشری تقریر میں امریکہ کا شکریہ ادا کیا۔ اور پریس ایڈوائس بھیجی گئی کہ امریکہ کے خلاف کچھ نہ لکھا جائے

حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ امریکی سامراج نے پاکستان کی کوئی مدد نہیں کی۔ بلکہ وہ سقوط ڈھاکہ کا منتظر رہا۔ اُس نے پاک افواج سے ہتھیار ڈلوانے میں نمایاں کردار ادا کیا جنرل نیازی نے بھارتی حکومت سے ہتھیار ڈالنے کے سلسلے میں جو گفت و شنید کی۔ وہ ڈھاکہ میں مقیم امریکی قونصل کے ذریعے ہوئی۔ جنرل نیازی اپنا پیغام امریکی قونصل کے دفتر میں دیتے تھے۔ وہ اس پیغام کو دہلی میں امریکی سفارت خانے کو وائرلیس کے ذریعے بھیج دیا کرتے تھے۔ اور دہلی کا امریکی سفارت خانہ اسے بھارتی حکومت کے حوالے کر دیا کرتا تھا۔

ہو سکتا ہے کہ ان تمام حقائق کے باوجود بعض عناصر حالیہ جنگ میں امریکہ کو پاکستان کا حامی قرار دیتے۔ لیکن ۲۷ دسمبر کو امریکی صدر نکسن نے جنگ بندی کی قرارداد کے سلسلے میں سوویت یونین کے کردار کی تعریف کر کے امریکی روسی گٹھ جوڑ اور پاکستان دشمنی کو واضح کر دیا۔ خبر یہ ہے۔

"نیو یارک ۲۷ دسمبر (اپ پ) صدر نکسن نے روس کی تعریف کی ہے کہ اس نے سقوط مشرقی پاکستان کے بعد جنگ بندی میں مدد دی اور اس طرح بھارت کو مغربی پاکستان بھی فتح کر لینے سے روک دیا۔ "ٹائم" میگزین کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جنوبی ایشیا میں جنگ شروع ہونے پر ہمیں روس سے اختلاف تھا لیکن جنگ کے خاتمہ پر اختلاف نہیں رہا جبکہ دونوں فریقوں نے جنگ بندی قبول کر لی۔ صدر نکسن نے کہا کہ روس مشرقی پاکستان کے زوال کے بعد جنگ بندی کرانے پر تعریف کا مستحق ہے۔ ورنہ اس کے بعد مغربی پاکستان کا فتح ہونا بھی ناگزیر تھا۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا اس بات کی کوئی شہادت موجود ہے کہ بھارت مغربی پاکستان کو بھی فتح کرنا چاہتا تھا۔ صدر نکسن نے کہا کہ میں یہ تو نہیں کہتا کہ بھارت نے اس کے لئے کوئی سوچا سمجھا منصوبہ بنایا تھا۔ لیکن اگر ایک بار جنگ چھڑ جائے اور ایک فریق کو کامیابی ہو تو جنگ جاری ہی رہتی ہے۔ مجھے انٹیلی جنس کی رپورٹوں پر مبنی اس بات پر یقین ہے کہ بھارت کی حکومت میں جو قوتیں شامل ہیں وہ ہمیشہ کے لئے اس خطرے کو ختم کر دیتیں جو پاکستان کی شکل میں انہیں مسلسل نظر آتا ہے ان حالات میں ہم نے روس کے تعاون سے ایک تعمیری کردار ادا کیا ہے"۔

بازگشت

ظاہری خبریں

اندرونی کہانیاں

مشرقی پاکستان کو پاکستان سے علیحدہ کرنے کی سازش بہت پرانی ہے۔ سی آئی اے نے اس منصوبہ پر کام کیا۔ اس رُسوائے زمانہ محکمے کی ایک دستاویز بھی پکڑی گئی۔ ہفت روزہ "الفتح" نے اس خفیہ دستاویز کو شمارہ نمبر ١٩ (٢٤ ستمبر تا یکم اکتوبر ١٩٧٠ء) میں شائع کر چکا ہے۔ اس مضمون کو دوبارہ بازگشت کے کالم میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کی روشنی میں ساتویں امریکی بحری بیڑے کی لنگر اندازی اور روسی سوشل سامراج کی کارروائیوں کو بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ دوست ہیں یا دشمن۔ دُشمن !! ۔ (ادارہ)

پاکستان کے خلاف سی آئی اے کی سازش

خفیہ منصوبے کے بارے میں تازہ ترین انکشافات

وقائع نویس

یکم نومبر ٦٩ء کا ذکر ہے۔ ڈھاکہ کی فضا جزوی ہڑتال کے باعث صبح ہی سے کسی قدر مکدّر تھی لیکن ایسی کوئی علامت ظاہر نہ تھی جس سے آنیوالے خونریز ہنگاموں کا سراغ ملتا۔ اچانک گیارہ بجے کے قریب میرپور کے علاقے میں بنگالیوں اور مہاجرین کے درمیان فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ ٹھیک اسی وقت شاہجہان آباد میں بھی فسادات کا آغاز ہوا اور عین گیارہ بجے ایسی دوسری بستیوں میں بھی فسادات برپا ہو گئے۔ جہاں بنگالیوں اور مہاجرین کی ملی جلی آبادی تھی۔ قرائن بتاتے ہیں کہ یہ فسادات ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ایک مقررہ وقت پر شروع کئے گئے۔ شام تک لوٹ مار، خنجر زنی، آتشزنی اور مسلح تصادم کی وارداتیں ہوتی رہیں لیکن کسی نہ کسی طرح اسی روز فسادات پر قابو پا لیا گیا۔ اس میں پولیس اور انتظامیہ کی کارکردگی سے زیادہ عوام کے سیاسی شعور کو دخل تھا۔ جو آپس کے اس کے خون خرابے کے خلاف تھے۔ اس طرح یہ خونی ہنگامے ڈھاکہ کی چند بستیوں تک محدود رہے اور مشرقی پاکستان کے دوسرے شہروں تک نہ پھیل سکے۔

نیشنل عوامی پارٹی کے سربراہ مولانا عبدالحمید خاں بھاشانی اپنی دیہی قیام گاہ سنتوش سے فوراً ڈھاکہ پہنچے۔ اسی روز پریس کلب میں انہوں نے ایک پریس کانفرنس بلائی۔ فسادات کی مذمت کی۔ بنگالیوں اور مہاجرین کو مل جل کر رہنے اور اپنے مشترکہ مفادات کے لئے متحدہ جدوجہد کرنے کی تلقین کی۔ انہوں نے فسادات کا پس منظر بتاتے ہوئے مودودی جماعت پر الزام لگایا کہ ان خونریز ہنگاموں میں مودودیوں کا ہاتھ تھا۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ انکشاف کیا کہ امریکہ کے رسوائے عالم محکمۂ جاسوسی سی آئی اے نے مشرقی پاکستان میں اس قسم کے فسادات کرانے کے لئے ایک خفیہ منصوبہ تیار کیا ہے

مولانا بھاشانی نے بعد میں یہ بھی انکشاف کیا کہ سی آئی اے کی یہ خفیہ دستاویز ان کے قبضے میں آ گئی ہے اور اس کی نقلیں وہ صوبائی گورنر اور صدر مملکت کو ضروری کارروائی کے لئے ارسال کر چکے ہیں۔ مولانا بھاشانی نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس دستاویز کو سنتوش کانفرنس کے موقع پر عوام کے رُوبرو پیش کریں گے تاکہ وہ آنے والے خطرات سے نہ صرف باخبر ہو جائیں بلکہ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے خود کو تیار رکھیں

مگر یہ خفیہ دستاویز عوام کے سامنے نہ آ سکی۔ اس کوتاہی کا الزام مولانا بھاشانی نے نیشنل عوامی پارٹی کے سابق جنرل سیکرٹری جناب محمد طٰہٰ پر عائد کیا کہ وہ وقت پر اس کی اشاعت کا بندوبست نہ کر سکے۔ جناب طٰہٰ نہ صرف اس الزام کی تردید کر چکے ہیں بلکہ موثر طور پر اپنی صفائی بھی پیش کر چکے ہیں۔ اس مسئلہ پر دونوں رہنماؤں کا اختلاف ایک علیحٰدہ موضوع ہے جس کی تفصیل میں جانے کا نہ یہ موقع ہے اور اس کی گنجائش ہے۔ سنا ہے سنتوش کانفرنس میں سی آئی اے کی خفیہ دستاویز کی کچھ سائیکلو اسٹائل نقلیں تقسیم بھی کرائی گئیں مگر اس کی تفصیلات سے عوام پوری طرح آگاہ نہ ہو سکے۔

آخر یہ دستاویز ہے کیا؟ اگر اس کی صحت پر یقین کر لیا جائے تو بلاشبہ یہ ایک خطرناک منصوبہ ہے۔ یہ نہ صرف مشرقی پاکستان کو ملک سے علیحدہ کرانے بلکہ پاکستان کے وجود کو ختم کرنے کی ایک ہولناک سازش ہے۔ یہاں اس طویل خفیہ دستاویز کے وہ اہم اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں جن سے سی آئی اے کی سازش کے خطرناک نتائج کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سی آئی اے کی خفیہ دستاویز

- مذہب کے نام پر ملّا عوام کو اپنا آلۂ کار بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور ہمیں بھی یہ حقیقت فراموش

یہ پاکستان کو ختم کرنے کی ایک ہولناک سازش تھی

نہیں کرنی چاہیئے کہ بنگال (مشرقی پاکستان) میں مذہب عوام کی بہت بڑی کمزوری ہے۔ وہ دیوانگی کی حد تک مذہب کے پرستار اور شیدائی ہیں، لہٰذا اپنی مہم کو کامیاب بنانے کے لئے ہمارے آدمیوں کو لازم کہ وہ مذہب کی اہمیت کو محسوس کریں اور مذہبی جذبات کو زیادہ سے بھڑکائیں۔

● طلباء کے بارے میں کیا کیا جائے؟ ان میں زیادہ تر شدت کے ساتھ علیحدگی کے حامی ہیں۔ تعلیم نے ان میں جمہوری اور قوم پرستانہ جذبات سرایت کر دیئے ہیں۔ سب سے پہلے انہی نے زندگی کے ہر شعبے میں (مغربی پاکستان کے) تسلط کی چبھن کو محسوس کیا ہے۔ ان کے ذہنوں میں مساوی مواقع کا تصوّر قطعی مبہم ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ زندگی میں ترقی کے دروازے بیشتر حالات میں ان پر بند کر دیئے گئے ہیں وہ اپنی اس بے چینی اور ذہنی انتشار کو دور کرنے کے لئے جلوسوں اور مظاہروں کی شکلوں میں سڑکوں پر نکل آتے ہیں لیکن آخری تجزیہ میں وہ ایک ایسی معمولی اقلیت ہیں جسے آسانی کے ساتھ نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ انہیں سر تا پا رشوت دی گئی ہے فلموں کے ذریعے ملک کے دوسرے بازو (مغربی پاکستان) کے بارے میں طرح طرح کے سہانے خواب دکھائے گئے ہیں اور اس طرح ان کے ذہنوں کو مسخر کر لیا گیا ہے۔ ان سے قوتِ ارادی چھین لی گئی ہے۔ ان کی یہ خود اعتمادی ختم کر دی گئی ہے کہ بنگالی طلبا علیحدگی کے حق میں ہیں۔

● پھر آزادی کس طرح حاصل کی جائے؟ اس نصب العین کو محتاط منصوبہ بندی کے بعد طویل اور شدید جدوجہد، بے غرض لگن، دوستانہ بیرونی امداد اور اعلیٰ قیادت کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

● سب سے پہلے عوام کو اس آزمائشی گھڑی کے لئے تیار کیا جائے۔ سیاسی اقلیت کو مکمل طور منظم کیا جائے۔ ثقافت کو متاثر کیا جائے۔ مسلح افواج جو بنگال میں (جن کے ذہنوں کی صفائی ہو چکی ہے) انہیں اعتماد میں لیا جائے اور دوستانہ بیرونی امداد کو مناسب طور پر کام میں لایا جائے۔

● عوام کو تیار کرنے کے لئے ان میں کس طرح شعور پیدا کیا جا سکتا ہے؟ اس مقصد کے لئے سیاسی پروپیگنڈا کرنے والوں کو عوام کے درمیان پھیلایا جائے۔ بنگالیوں میں یہ احساس پیدا کیا جائے کہ ان کی کارروائی کا بنیادی نکتہ فسادات اور وسیع پیمانے پر انتشار پھیلانا ہے۔ عوام میں نفرت اور ہیجان پھیلانا ہے۔ انہیں سب سے پہلے یہ محسوس کرایا جائے کہ وہ بندوقوں، گولیوں اور خنجروں کے ذریعے ہی اپنا انتقام لے سکتے ہیں۔ اس کارروائی میں مخالف اور سرکاری سیاسی جماعتوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اس کے لئے صرف دو فریق ہونے چاہیئے۔ یعنی بنگالی، غیر بنگالی کے خلاف صف آرا ہوں۔

● اقلیت کو منظم کیا جائے۔ واضح رہے کہ اسلحہ ایک بنیادی ضرورت ہے۔ ایک مختصر اور وفادار خوجے لازمی طور پر تیار کی جائے۔ نئی اور نوجوان قیادت ابھرنی چاہیئے۔ ہر ادارے اور ہر تنظیم میں، اور حکمت عملی کے اعتبار سے ہر اہم شعبے میں اثر و رسوخ پیدا کیا جائے۔ ایک تیر سے دو شکار کئے جانے کا امکان ہے۔ یعنی کمیونسٹوں کو غیر بنگالیوں کے ایجنٹ کی حیثیت سے شہرت دی جائے اور بغاوت کے ذریعے ان کا صفایا کر دیا جائے۔

● لیکن علیحدگی کے فیصلہ کن عمل پر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ کام کرنا چاہیئے۔ ہر کارروائی، ہر اقدام، پہلے سے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت

سی۔ آئی۔ اے مذہبی

جذبات کو زیادہ سے زیادہ

بھڑکا کر اپنے منصوبہ کو

کامیاب بنانا چاہتی تھی!

ہونا چاہیئے۔ بین الاقوامی امداد تعاون قطعی اور یقینی ہے۔ امریکہ اس موقع پر بھارت، انڈونیشیا، برما اور افغانستان کے ساتھ بھرپور تعاون کریگا

● اشتراک عمل سب سے اہم اور بنیادی حقیقت ہے۔ ہمیں اب اس کے لئے تاریخ کا تعین کرنا چاہیئے جو یکم اور ۳۱ کے درمیان اگست کی کوئی بھی تاریخ ہو سکتی ہے۔ آزادی کی تحریک پوری طرح منظم ہو چکی ہے۔ نئے رہنما ابھرنے کے منتظر ہیں اسلحہ اور ہتھیار تیار ہیں، منصوبے کو آخری شکل دی جا چکی ہے۔ افغانستان اور مغربی پاکستان کے درمیان سرحدی جھگڑے شروع ہو چکے ہیں۔ سرحد کے قبائل میں "بے چینی اور بے اطمینانی" پھیلی ہوئی ہے۔ پاکستان اور بھارت کشمیر کے مسئلہ پر ایک دوسرے سے الجھے ہوئے ہیں۔

● پاکستان + بھارت پر "حملہ آور" ہوتا ہے (یہ حملہ دوسری جانب (بھارت) سے کیا جائے گا) بھارت یکم اور ۷، اگست کے درمیان "جارحیت" کو ختم کرنے کے مرحلے میں ہو گا۔ ہندوستانی فوجوں نے مغربی پاکستان کے لئے سخت مشکلات پیدا کر دی ہوں گی اور افغانستان بھی ترو تازہ ہو کر میدان میں آ چکا ہوگا۔ یہ ۹۔ اگست ۱۹۶۹ء کی تاریخ ہوگی۔ اس وقت مغربی پاکستان کے مختلف حصے بھارت کے تسلط میں آجائیں گے۔ مغربی پاکستان کے لئے صورت حال نہایت مشکل ہو گی لیکن بھارت مشرقی پاکستان پر حملہ نہیں کرے گا۔ مشرقی پاکستان میں فسادات، دہشت گردی، اغوا، لوٹ مار اور عام انتشار کا دور دورہ ہوگا۔

سی آئی اے کے منصوبے کے مطابق یہ تھے پاکستان کے وہ سماجی اور سیاسی حالات اور بین الاقوامی رشتے جن کے پس منظر میں مشرقی پاکستان کو ملک سے علیحدہ کر کے ایک آزاد مملکت کے قیام کی سازش تیار کی گئی۔ جن میں ملک دشمن قوتوں کی سرپرستی اور رہنمائی کے فرائض امریکہ خفیہ طور پر انجام دے رہا تھا۔ یہ سازش اتنی ہوشیاری اور محتاط طریقہ پر تیار کی گئی تھی کہ اصل دشمن کا سراغ بہت بعد میں چلتا اس وقت تک نا معلوم کتنی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہوتیں اور حالات کہاں سے کہاں پہنچ جاتے۔ اس کا اندازہ سازش کے ٹائم ٹیبل سے ہوتا ہے جس کی تفصیلات سی۔ آئی۔ اے کے منصوبے میں اس طرح پیش کی گئی تھیں۔

سی آئی اے کے اس خطرناک منصوبہ کے بارے میں جو اطلاعات اب تک فراہم ہوئی ہیں ان

اکتوبر ۱۹۶۸ کی عوامی تحریک نے سی آئی اے کے منصوبے کو ناکام بنا دیا

کے مطابق اس سازش پر ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے کچھ ہی عرصہ بعد کام شروع کر دیا گیا تھا۔ ۱۹۶۶ء کے وسط میں اس کی ترتیب ابتدائی مرحلے میں داخل ہوئی۔ سیاسی اور سماجی حالات کا تجزیہ کیا گیا۔ خفیہ ملاقاتوں کے ذریعے مختلف طبقوں کے نمائندوں سے تبادلۂ خیالات کیا گیا۔ ان کا ردعمل معلوم کیا گیا اور یہ سلسلہ کئی ماہ تک چلتا رہا۔ اس طرح جب ضروری معلومات اکٹھا ہو گئیں تو سی آئی اے کے ماہرین نے ان کی روشنی میں منصوبے کا خاکہ تیار کیا اس کی تفصیلات مرتب کیں اور آخر ۱۹۶۷ء میں اسے مکمل کر لیا گیا۔

اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ۹؍ اگست ۱۹۶۹ء کی تاریخ مقرر کی گئی جس کی تفصیلات اوپر بیان کی جا چکی ہیں۔ ۹؍ اگست کی تاریخ غالباً اس لئے طے کی گئی تھی کہ پروگرام کے مطابق سازش چند روز میں مکمل ہو جائے گی اور پاکستان کے یوم استقلال یعنی ۱۴؍ اگست کو مشرقی بنگال کی خودمختار مملکت کا جشن منایا جائے تاکہ اس کا نفسیاتی اثر یہ ہو کہ عوام اس میں زیادہ جوش و خروش سے حصہ لے سکیں اور پاکستان کے قیام کی تاریخ کے ساتھ ان کی جذباتی وابستگی بھی برقرار رہے ۱۹۶۹ء کے انتخاب کا جواز بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ دو سال کا عرصہ سیاسی فضا تیار کرنے کے علاوہ ایجنٹوں کی تربیت اور دوسرے اہم امور کی تکمیل کے لئے رکھا گیا تھا۔

لیکن یہ سازش وقت مقررہ پر نہ ہو سکی۔ اس لئے کہ نومبر ۱۹۶۸ء میں ملک گیر عوامی تحریک ابھری۔ اس نے سیاسی حالات یک لخت بدل دیئے حالات کی تبدیلی کا یہ عمل اس قدر تیز رفتار اور اچانک ہوا جس کا اندازہ خود سی۔ آئی۔ اے کو نہ تھا۔ مارچ ۱۹۶۹ء میں ایوب خاں کی حکومت ختم ہو گئی۔ ملک میں مارشل لاء نافذ ہو گیا اور سی۔ آئی۔ اے کا سارا منصوبہ منتشر ہو گیا یہاں یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی کہ سی۔ آئی۔ اے نے اپنی سازش کو عملی جامہ پہنانے کی تاریخ آگے بڑھا دی یا فی الوقت اسے ملتوی کر دیا تھا۔ ایسی صورت میں لامحالہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یکم نومبر ۱۹۶۹ء کو بنگالیوں اور مہاجرین کے درمیان جو فسادات ہوئے، وہ کیوں ہوئے۔ ایسی صورت میں جبکہ اس نوعیت کے فسادات برپا کرانے کے لئے سی۔ آئی۔ اے نے اگست کا مہینہ منتخب کیا تھا۔ اس کا سیدھا سادھا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اگر اس دور کے سیاسی حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ ان دنوں مشرقی پاکستان کی مقامی اور مہاجر آبادی کے درمیان شدید کشیدگی پائی جاتی تھی۔ اور یہ نفرت اور کشیدگی سی آئی اے نے اپنی سازش کو کامیاب بنانے کے لئے پیدا کی تھی۔ جس کا اظہار اس کے منصوبے میں بار بار کیا گیا ہے۔

اس کشیدگی، بے اعتمادی اور شک و شبہ کو پھیلانے میں بلاشبہ امریکہ نواز مودودی جماعت نے سی آئی اے کے لئے فضا تیار کی۔ مودودی جماعت کے اخبارات اور جرائد کی تحریریں اس کا کھلا ثبوت ہیں کہ کس طرح انہوں نے پاربتی پور کے حادثہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گمراہ کن اور فرضی داستانوں کے ذریعہ اشتعال پھیلایا۔ اردو کے مسئلہ کو حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے پیش کرنے کے بجائے بنگالیوں کی صوبائی عصبیت قرار دیا عوام کی جمہوری جد و جہد کا رُخ علاقائی منافرت کی جانب موڑنے کی کوشش کی۔ مہاجرین میں عدم تحفظ اور غیر اعتمادی پیدا کرائی۔ بنگالی مسلمانوں کو بھارتی ایجنٹ اور ہندو کلچر کا پرستار قرار دے کر کافر اور گمراہ بنایا۔

غرضیکہ نفرت کی یہ آگ بڑھتی رہی۔ کشیدگی شدید سے شدید تر ہوتی گئی۔ لاوا اندر ہی اندر پکتا رہا یکم نومبر کو یہ لاوا پھٹا لیکن آگ دور تک نہ پھیلی۔ سی۔ آئی۔ اے کی سازش ناکام ہو گئی، نشانہ خطا کر گیا۔ امریکہ نواز مودودی جماعت کے منصوبے بھی خاک میں مل گئے۔

بھارت

سی آئی اے کے ذریعہ

اکھنڈ بھارت کا

خواب پورا کرنا چاہتا ہے

دراصل عوامی شعور بیدار ہو چکا تھا اور عوام سامراجیوں اور ان کے حواریوں کے ارادوں سے آگاہ ہو چکے تھے۔ ان فسادات کے بعد عوام اور زیادہ باشعور اور باخبر ہو گئے۔ نفرت اور کشیدگی کا بنیادی سبب ان پر منکشف ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ اب وہ کشیدگی اور بے اعتمادی ہے اور نہ نفرت کی فضا ہے۔ مودودی جماعت جو اسلام اور اردو کے نام پر نفرت پھیلا کر مشرقی پاکستان کے مہاجروں کی صفوں میں داخل ہو گئی تھی اب اس کا اثر زائل ہو چکا ہے۔ مہاجرین مودودیوں کے جال سے نکل چکے ہیں۔ اور بنگالیوں کے ساتھ مل جل کر اپنے مشترکہ مسائل طے کرنے کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں۔

سی آئی اے کے اس خفیہ منصوبے کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا مقصد مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے علیحدہ کر کے ایک ایسی خودمختار مملکت قائم کرنا تھا جو بھارت کے زیر اثر ہو اور جس کی علیحدگی کے بعد مغربی پاکستان تنہا اور کمزور رہ جائے تاکہ اس پر ایک طرف سے افغانستان اور دوسری جانب سے بھارت حملہ آور ہو کر قابض ہو جائے اور اس طرح پاکستان کا وجود ختم ہو جائے۔ وہ اکھنڈ بھارت کا ایک بار پھر الوٹ انگ بن جائے یہیں سے اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ ستمبر ۱۹۶۵ء میں جب بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا تھا تو ایک غیر ملکی خبر ایجنسی نے یہ انکشاف کیا تھا کہ یہ حملہ سی آئی اے کی تحریک پر بھارت نے کیا ہے' اس جنگ میں بھارت کو منہ کی کھانی پڑی اور سی۔ آئی۔ اے کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر امریکہ، پاکستان کا اس قدر مخالف کیوں ہے؟ وہ پاکستان کا وجود کیوں ختم کرنا چاہتا ہے؟ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ آج پاکستان اس کی بین الاقوامی فوجی حکمت عملی کے ایشیائی منصوبے کی تکمیل کی راہ میں سنگ گراں بن گیا ہے۔ جو اسے خار کی طرح کھٹکتا ہے۔ کیا ہمیشہ سے پاکستان کے بارے میں امریکہ کا یہ خیال تھا۔ ایسی ہی نفرت تھی؟ جی نہیں یہ تبدیلی ۱۹۶۲ء کے بعد پیدا ہوئی جب بھارت نے چین پر سرحدی جھگڑے کی آڑ میں چڑھائی کر دی۔ اس جنگ میں اس نے شرمناک ہزیمت اٹھائی، زبردست جانی اور مالی نقصان اٹھایا اور اپنا عالمی وقار کھویا۔ اس کی بین الاقوامی غیر جانبداری کا بھرم جاتا رہا چنانچہ اس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ بیرونی سامراج کا حلیف بن جائے غیر جانبداری کا جو پردہ پڑا تھا اسے اتار کر پھینک دے اس طرح امریکہ کو بھارت میں اپنا اثر رسوخ پیدا کرنے کا بھرپور موقع لیا۔

یہی وہ مرحلہ ہے جہاں سے امریکہ اور پاکستان کے درمیان خلیج پیدا ہوئی۔ امریکہ کا جھکاؤ بھارت کی طرف بڑھتا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ خلیج بڑھتی گئی پھر پاکستان کی خارجہ پالیسی میں زبردست تبدیلیاں پیدا

الفتح کراچی

ستمبر ۶۵ء کی جنگ کے بعد ہی پاکستان کو تباہ کرنے کی سازشیں تیہ

ہوئیں، جو اس کشیدگی کا فطری رد عمل ہیں۔ پاکستان کے جمہوریہ چین سے تعلقات استوار ہوتے، خوشگوار ہوئے اور مستحکم ہوتے چلے گئے۔ امریکہ کے لئے پاکستان کی چین سے بڑھتی ہوئی دوستی ناقابل برداشت تھی اس لئے کہ وہ چین کے گرد جو فوجی حصار ڈالنا چاہتا تھا وہ پاکستان کے بغیر ممکن نہ تھا پھر امریکہ ویت نام کی جنگ میں الجھ گیا۔ جتنا وہ اس جنگ میں الجھتا گیا اتنی ہی زیادہ اسے ایشیا میں اپنے فوجی حصار کی ضرورت محسوس ہوتی گئی۔ پاکستان پر ہر طرح کا دباؤ ڈالا گیا، مگر بات نہ بنی۔ وہی ایوب خاں جو "شمال سے خطرے" کے خلاف بھارت سے مشترکہ فوجی دفاع کے خواہش مند تھے۔ اب اس کے خلاف تھے اور چین کے ساتھ دوستی کا دم بھرتے تھے۔ دراصل بات یہ تھی کہ بین الاقوامی رشتے بدل چکے تھے۔ امریکہ اور بھارت کی گاڑھی چھن رہی تھی پاکستان بڑی عالمی طاقتوں کی حمایت سے محروم ہو کر بے یار و مددگار رہ گیا تھا۔ چین نے اس موقع پر دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور اب وہ اس دوستی سے محروم ہونے کے لئے آمادہ نہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی پاکستان کے عوام کا دباؤ بھی تھا جو اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ بھارت نے کبھی پاکستان کو قبول نہیں کیا۔ وہ ہمیشہ اسے اکھنڈ بھارت کا ہی حصہ سمجھتا رہا اور اس کی "بازیابی" کے لئے سازشیں کرتا رہا۔ اگر کوئی صورت افہام و تفہیم کی نکل سکتی تھی تو کشمیر کا مسئلہ سامنے آجاتا جس پر بھارت اپنے تمام وعدوں اور بین الاقوامی یقین دہانیوں کے باوجود ہٹ دھرمی کے ساتھ قابض ہے۔

ان بدلے ہوئے بین الاقوامی رشتوں کے پس منظر میں ۱۹۶۵ء کی جنگ کے اسباب کا سراغ لگایا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ بھارت نے پاکستان کے خلاف کیوں جارحیت کی۔ کیوں حملہ آور ہوا۔ اور جب اس جنگ میں شکست کے بعد اس کا منصوبہ ناکام ہوگیا تو بھارت نے سوویت یونین کا دامن تھاما۔ معاہدۂ تاشقند ہوا لیکن اس کا بھی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ عوام نے اس کو مسترد کر کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ بھارت کو ایک اور ناکامی ہوئی۔ پاکستان اس جال میں نہ پھنسا لیکن پاکستان کا وجود اس کی نظروں میں اور شدت کے ساتھ کھٹکنے لگا چنانچہ اس نے پاکستان پر اقتصادی دباؤ ڈالنے کے لئے فرخا بیراج کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ دوسری طرف امریکہ بھی چین کے ساتھ پاکستان کے دوستانہ تعلقات ایک آنکھ نہیں برداشت کر سکتا پاکستان کا وجود اسے بھی کھٹکنے لگا چنانچہ سی۔ آئی۔ اے کے اس خفیہ منصوبے میں اسی حقیقت کا جگہ جگہ اظہار کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں منصوبے کا وہ حصہ پیش کیا جا رہا ہے جس میں پاکستان کی موجودہ سیاسی اور اقتصادی صورت حال پر بحث کرتے ہوئے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا جواز پیش کیا گیا ہے:

"• مشرقی بنگال کی آزادی کے بارے میں آج بازاروں میں گلی کوچوں میں شاندار کوٹھیوں والے علاقوں میں اور عالیشان ہوٹلوں میں چرچا ہو رہا ہے لیکن اس ذیل میں عوام کے ذہنوں میں یقینی اور غیر یقینی کے سوالات کا ابھرنا لازمی امر ہے مثلاً "یہ کہ ہم علیحدگی کیوں چاہتے ہیں؟ علیحدگی سے کس کو فائدہ پہنچے گا" اس تحریک کے خلاف کون ہے اور اس کے حق میں کون ہے؟ اور یہ کہ علیحدگی کس طرح حاصل کی جائے؟" وغیرہ

• موجودہ حالات میں مشرقی بنگال کو مغربی پاکستان کی نوآبادی کہنا جائز کہا جا سکتا ہے اس لئے کہ ہر شعبہ میں عدم مساوات ہے اور ہر میدان میں بے انصافی پائی جاتی ہے شہری اور فوجی ملازمتوں میں بنگالیوں کے لئے مساوی مواقع کا کوئی وجود نہیں۔ اقتصادی آزادی سے قطع نظر نہ اظہار خیال کی آزادی ہے نہ آزادیٔ فکر ہے۔ نہ آزادیٔ تقریر و تحریر ہے مشرقی بنگال کی دولت کو چوس لیا گیا ہے۔ عوام کی کمر توڑ دی گئی ہے اور سرمایے کی منتقلی (مغربی پاکستان کو) بے حساب ہے عوام اپنی شخصیت اور وجود کو بھولتے جا رہے ہیں۔ ان میں خود اعتمادی ختم ہو چکی ہے۔ قوت اظہار جواب دے چکی ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ایک اقلیت ہی مملکت پر حکمراں ہوتی ہے۔ بنگال کی اس اقلیت کو غیر بنگالیوں کے قدموں پر ڈال دیا گیا ہے۔ ان حالات میں صرف کمیونسٹ ہی قدم جما سکتے ہیں ان کے ہر آن بڑھتے ہوئے اثر کو اس وقت تک ختم نہیں کیا جا سکتا جب تک بنگال کے موجودہ مسائل جلد از جلد حل نہ ہو جائیں"

• اس وقت مشرقی بنگال، مغربی پاکستانی اور غیر بنگالی صنعت کاروں کے لئے جنت کی طرح ہے۔ یہاں سے وہ بے دریغ دولت کماتے ہیں مگر ستم یہ ہے کہ اسے خرچ کہیں اور کیا جاتا ہے یہ بڑھتی ہوئی اقتصادی خلیج صرف ایک ہی منزل کی جانب لے جاتی ہے اور وہ منزل ہے کمیونزم۔ کمیونسٹ مشرقی بنگال کی اس صورت حال سے پوری طرح باخبر ہیں اور ان حالات سے خوش بھی ہیں۔ انتشار، بے چینی اور فاقہ کشی ہمیشہ ان کے لئے مددگار ثابت ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں آگے بڑھ کر حالات کو دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے کمیونسٹ، ایوب کی آمرانہ حکومت اور مغربی پاکستان کے تسلط کے حامی ہیں یہی وجہ ہے کہ ماؤ کے تمام ماننے والے ایوب نواز ہیں"

• مشرقی بنگال کے لئے علیحدگی صرف اس لئے ضروری نہیں کہ کمیونسٹوں کا اثر زائل کیا جائے بلکہ بھوک اور فاقہ کشی سے نجات حاصل کی جائے غیر بنگالی صنعت کاروں کی گرفت سے آزادی حاصل کی جائے اور ثقافت اور زبان پر جو پابندیاں عائد ہیں ان سے چھٹکارا حاصل کیا جائے"

سازش کی تاری

• وقت دس بجے صبح تاریخ ۱۰ اگست ۱۹۶۹ء بنگال (مشرقی پاکستان) اپنی آزادی کا اعلان کرتا ہے۔

• وقت ۲ بجے (تاریخ ۱۱ اگست ۱۹۶۹ء) انڈونیشیا، امریکہ اور دوسرے دوست ممالک آزاد بنگال کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ مشرقی پاکستان میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی ہے۔ ہوائی اڈے دھماکوں سے اڑا دیئے جاتے ہیں۔ غیر بنگالی فوجی افسروں اور ان کے آدمیوں کو غیر مسلح کر دیا جاتا ہے۔

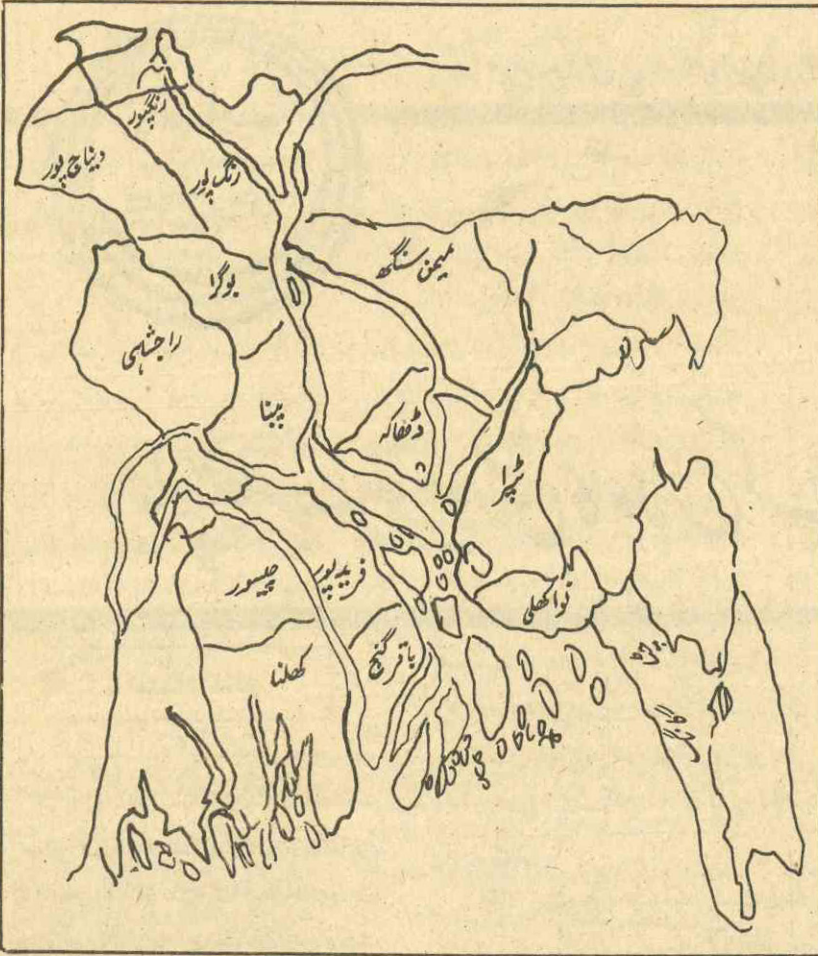
• ۶ بجے صبح (تاریخ ۱۱ اگست ۱۹۶۹ء) بنگالی لیڈر بھارتی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے بجائے غیر ملکی امداد مانگنے کی اپیل کرتے ہیں۔

• ۹ بجے صبح (تاریخ ۱۱ اگست ۱۹۶۹ء) دوست غیر ملکی فوجی دستے (مشرقی پاکستان میں) اتار دیئے جاتے ہیں۔ اور

...نر کر دی گئیں

"مشرقی بنگال کی خود مختاری سے عام لوگوں کو سرکاری افسروں کو، فوج میں ابھرنے والے نوجوانوں کو چھوٹے تاجروں اور ابھرتے ہوئے بنگالی سرمایہ داروں کو فائدہ پہنچے گا خود مختاری کے بعد ایشیائی اور غیر ایشیائی ممالک کے اقتصادی تعاون سے اس سرزمین پر خوشحالی لائی جائے گی۔ اور اگر خارجہ پالیسی کو اپنا اقتصادی مفاد پیشِ نظر رکھ کر مرتب کیا گیا تو غیر ملکی سرمایہ بھی یہاں لگایا جائے گا۔ نئی صنعتیں قائم کی جائیں گی۔ اس اقتصادی ترقی سے یقینی طور پر عام لوگوں کی معاشی حالت بہتر ہوگی۔ کسانوں کے لئے اچھے دن آئیں گے۔ تاجروں کے تصرف پر زیادہ سرمایہ ہوگا بنگالی ثقافت پھولے پھلے گی۔ ہر بنگالی کو بنگال کی حیثیت سے پہچانا جائے گا۔ بہر نوع اس خود مختاری سے اگر کوئی خسارے میں رہے گا تو وہ صرف غیر بنگالی ہو سکتا ہے"

" علیحدگی کا مسئلہ جب کبھی سامنے لایا گیا رائے عامہ ہمیشہ بٹ گئی لیکن بڑی تعداد علیحدگی کے حق میں ہے .... لیکن اس کے



حصول میں جس چیز سے خلا پیدا ہوا وہ قیادت کا فقدان ہے۔ یہ اکثریت نورالامین، عطاء الرحمٰن مجیب الرحمٰن وغیرہ کی طرح کے پرانے سیاستدانوں پر اعتماد نہیں رکھتی، انہیں چھ نکات سے دلچسپی ہے لیکن مجیب میں کوئی دلکشی نہیں۔ متوسط طبقے کی اکثریت موجودہ لوٹ کھسوٹ سے بخوبی آگاہ ہے لیکن اسے مناسب رہنمائی نہیں مل رہی ہے وہ بے بس اور مجبور ہے لیکن چھوٹے سیاستدان، بنیادی جمہوریت کے ارکان، چند بڑے افسر اور چند خوش قسمت تاجر علیحدگی کے سخت خلاف ہیں وہ جانتے ہیں کہ علیحدگی کی صورت میں وہ تباہ ہو سکتے ہیں۔ البتہ مشرقی بنگال کے بیشتر صنعت کار علیحدگی کے حق میں ہیں"

" عوام کا رُخ کیا ہے؟ وہ تذبذب کے عالم میں ہیں جو کچھ وہ کر سکتے ہیں اس پر یقین رکھتے ہیں لیکن ان میں ایسے بھی ہیں جنہیں کسی بات کی پرواہ نہیں اور ایسے بھی ہیں جو غیر بنگالی تسلط کے سخت مخالف ہیں مناسب رہنمائی صحیح قیادت اور کچھ ثابت قدم سیاسی کارکنوں کی بے غرض لگن انہیں ایک مضبوط تنظیم میں متحد کر سکتی ہے۔ انتہا پسندوں کے اس وقت دو گروہ ہیں اور وہ ہیں چین نواز کمیونسٹ اور مذہبی دیوانگی کا شکار ملّا۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے اس وقت ایوب کے تمام حامی ماؤ کے حامی ہیں۔ لہٰذا ایوب کی حکومت بلاواسطہ طور پر چین نواز کمیونسٹوں کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے لہٰذا کمیونسٹ جانتے ہیں کہ علیحدگی کی صورت میں ان کا تمام اثر و رسوخ جاتا رہے گا اور حالات کی تبدیلی قطعی طور پر ان کے خلاف جائے گی"

سی۔ آئی۔ اے خفیہ منصوبے کے ان اقتباسات سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سازش کا بنیادی مقصد کیا تھا۔ یہ کس کے خلاف اور کس کے حق میں تھا۔ شکر ہے کہ پاکستان کی سلامتی کے خلاف یہ خطرناک سازش کامیاب نہ ہو سکی لیکن کیا اس ناکامی کے بعد سی۔ آئی۔ اے نے اپنی کوششیں ختم کر دیں۔ اپنا پروگرام تبدیل کر دیا؟ غالباً ایسا نہیں ہے۔ آئندہ شمارے میں اس سلسلہ کی دوسری کڑی یعنی ایک اور خفیہ امریکی سازش کو بے نقاب کیا جائے گا جو تکنیک کے اعتبار سے مختلف ہونے کے باوجود اس سے کم خطرناک نہیں ■

◆

...اور وقت

...وں کے بقیہ کام کی تکمیل کرتے ہیں۔ امریکہ کے فوجی دستوں ...ترنے سے بین الاقوامی تصادم کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ...سب ہوگا۔ کہ کچھ انڈونیشی فوجی دستے اتارے جائیں اگر باغی ...ی کامیابی حاصل کر لیتے ہیں۔ تو انڈونیشی دستوں کا اتارنا ضروری ...یں، بہر حال اگر کسی غیر ملکی دستوں کا اتارا جانا ضروری ہو تو ...صرف انڈونیشی دستے ہونے چاہئیں! اس طرح ایوب خان ...یا پروپیگنڈا بھی ہمارے حق میں مددگار ثابت ہو گا۔ عوام کو ...یا جائے کہ انڈونیشی فوجی ہمارے بھائی ہیں۔ اور ہماری مدد ...ئے ہیں۔

● دونوں بازوؤں کے درمیان تمام راستے اور تمام رابطے قطع کر دیئے جائیں اور گھنٹوں اور گھڑیوں میں مخالف قوتوں ...صفائی کا کام مکمل کر دیا جائے۔

تمام عہدوں پر بدعنوان اور مفاد پرست منتظمین کا قبضہ ہے



بیمار پنجاب یونیورسٹی کا علاج کب شروع ہوگا؟

نمائندہ الفتح

نمائندہ حکومت کے قیام سے جہاں ملک کے مظلوم طبقوں کو غلامی اور استحصال کی زنجیروں کے ٹوٹنے کی امید پیدا ہو چلی ہے، وہاں طلبہ دانشور اور اہل قلم بھی یہ توقع کر رہے ہیں کہ علم اور ابلاغ عامہ کے اداروں پر سے استحصالی طبقوں کا منحوس سایہ ہٹ سکے گا۔ یہ توقعات اس لئے بجا ہیں کہ پیپلز پارٹی ان اقدامات کی پابند ہے اور اس کا پروگرام اس کا بین ثبوت ہے مزید برآں صدر بھٹو صوبائی گورنر صاحبان اور وزراء صاف صاف لفظوں میں یہ اعلان کر چکے ہیں کہ پیپلز پارٹی اپنے تمام وعدوں کو پورا کرے گی اور پارٹی کے منشور پر پوری طرح عمل کیا جائے گا۔

پنجاب یونیورسٹی کے طلبا اساتذہ اور ملازمین عرصہ دراز سے سامراجی گماشتوں اور رجعت پسند عناصر کے استحصال اور زیادتیوں کا شکار رہے ہیں اور ان کی جدوجہد کو دبانے کے لئے حکومت اور استحصالی طبقے یونیورسٹی پہ قابض ٹولے کی پوری طرح مدد کرتی رہی ہے۔ ترقی پسند طلبہ، اساتذہ اور ملازمین اپنے نظریات کی وجہ سے انتقام کا نشانہ بنتے رہے ہیں اور رجعت پسند موقع پرستوں کا ٹولہ اپنی من مانی کرتا رہا ہے گذشتہ چند برسوں میں نظریاتی تقسیم واضح ہونے کے بعد سے عوام دوست عناصر پر عتاب زیادہ سخت ہو گیا تھا اور یونیورسٹی میں دائیں بازو کے اساتذہ اور طلبا کو کھلی چھٹی دے دی گئی تھی۔ علاوہ ازیں سامراجی مفادات کے تحفظ اور سرمایہ دارانہ نظام کی عمر بڑھانے کے لئے قائم کئے گئے اداروں، نصابوں اور منصوبوں اور ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مسلط کئے گئے مہروں کی وجہ سے یونیورسٹی سے آزادئ فکر اور غیر متعصبانہ تعلیمی ماحول کا خاتمہ ہو چکا تھا اور تنگ نظری، رجعت پسندی اور تعصب کا غلبہ ہو چکا تھا۔

مقام مسرت ہے کہ حالات نے ایسا رخ لیا ہے کہ سرمایہ داروں جاگیرداروں اور سامراجی گماشتوں کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے اور فوجی آمر ٹولہ اقتدار عوامی نمائندوں کے حوالے کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ چنانچہ اب پنجاب یونیورسٹی کے طلبا، اساتذہ اور ملازمین بھی توقع کرتے ہیں کہ ملک کی اس قدیم اور مؤقر دانشگاہ کو علم دشمن بدعنوان اور رجعت پسند عناصر کے شکنجے سے نکالا جائے گا۔ تعلیمی اصلاحات تو یقیناً بتدریج نافذ ہوں گی اور ان کے نفاذ کے لئے مخلص دیانتدار اور مستعد تعلیمی منتظمین کی ضرورت ہو گی۔ چنانچہ ملک بھر میں تعلیمی اصلاحات کے نفاذ سے قبل پنجاب یونیورسٹی کے طلبا اور ملازمین ان ناانصافیوں کے ازالے اور بدعنوان افراد سے نجات کی امید کر رہے ہیں، جو بے جا نہیں۔

پنجاب کے نئے گورنر جناب غلام مصطفےٰ کھر بلحاظِ عہدہ پنجاب یونیورسٹی کے چانسلر بھی ہیں، یقیناً یونیورسٹی کے حالات سے آگاہ ہوں گے اور بنیادی تبدیلیاں لانے کا ارادہ رکھتے ہوں گے۔ یونیورسٹی کے معاملات کے ایک مختصر جائزے سے شاید انہیں اپنے فیصلوں میں مدد مل سکے پنجاب یونیورسٹی ایک بیمار درسگاہ ہے۔ اور کوئی ایک بیماری اسے لاحق نہیں۔ کہتے ہیں یونیورسٹی چھوٹے پیمانے پر ایک معاشرہ ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں یہ کم از کم اس لحاظ سے صحیح ہے کہ معاشرے کی تمام برائیاں یونیورسٹی میں نظر آتی ہیں۔ ان بیماریوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ انتظامی بدعنوانیاں نظریاتی استحصال اور علم کے مقابلے میں جہالت اور کم علمی کا رواج۔ نئی حکومتِ پنجاب اگر پنجاب یونیورسٹی کے علاج معالجے کا کام شروع کرے تو ان تینوں امراض کی طرف توجہ کرنا ہو گی۔

انتظامی استحصال

اعلیٰ ترین عہدے سے لیکر نچلی سطحوں تک پنجاب یونیورسٹی بدعنوان اور مفاد پرست منتظمین کے قبضے میں ہے۔ یہ بدعنوانی اس قدر رچ چکی ہے کہ اب یونیورسٹی کے امور کا معمول بن چکی ہے۔ شعبۂ امتحانات کی دھاندلیاں، تعمیراتی فنڈ میں لاکھوں کا غبن، اعلیٰ افسروں کو ملنے والی مراعات، اقربا پروری قومی رقوم سے داد عیش غرض یونیورسٹی کا چپہ چپہ بدعنوانی کا گواہ اور مظہر ہے۔ جب اس سلسلے کی جڑ تلاش کی جائے تو بات وائس چانسلر کے اعلیٰ عہدے پر جا پہنچتی ہے ظاہر ہے کہ ذمہ داری وائس چانسلر پر ہی عائد ہوتی ہے اور بدعنوانیوں کا ایک سبب اسی کرسی میں ہے بھی مگر اصل مجرم اس کرسی کے پیچھے چھپا رہتا ہے۔ وائس چانسلر کی حیثیت یونیورسٹی میں وہی ہے جو سرکاری محکموں میں وزراء کی ہوتی ہے۔ اختیار اور طاقت حرف نام کا۔ اصل طاقت اور اختیار سیکرٹریوں کی طرح انتظامی امور کے مختار رجسٹرار کے پاس ہے۔ رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی سید شمشاد حیدر تمام سیاہ و سفید کے مختار ہیں (بلکہ سیاہ ہی سیاہ کے) اور یہ حقیقت اب پوشیدہ نہیں رہی کہ تمام تر بدعنوانیوں اور خرابیوں کی جڑ یہی حضرت ہیں۔ موصوف سالہا سال سے بڑی کامیابی اور رازداری سے اپنی بدعنوانیوں

وائس چانسلری کی کرسی کے پیچھے اصل مجرم چھپا رہتا ہے

کو وائس چانسلر کے کھاتے میں ڈال کر اپنے لئے جائداد بناتے رہے ہیں۔ لیکن اب شمشاد حیدر کے چہرے سے نقاب اٹھ چکا ہے اور لوگ جاننے لگے ہیں کہ اس شخص کا ذاتی کردار اور بدعنوانیاں کس درجے کی ہیں اور کن بڑے اور بااختیار لوگوں کی وجہ سے وہ ہمیشہ احتساب اور تادیب سے بچ جاتا رہا ہے۔

شمشاد حیدر یونیورسٹی نیو کیمپس تعمیراتی فنڈ میں لاکھوں روپے کے غبن میں بھی ملوث رہا ہے۔ اس وقت وہ یونیورسٹی کا خازن تھا اور غبن کے انکشاف کے بعد اسے نو ماہ کی طویل رخصت پر بھیج دیا گیا تھا۔ تاہم بعد ازاں اعلیٰ حکام سے مل جل کر غبن کی تحقیقات کے لئے گورنر مغربی پاکستان کی قائم کردہ کمیٹی کی رپورٹ کو دبا دیا گیا اور شمشاد حیدر اس کے صلے میں خازن سے رجسٹرار بنا دیا گیا اس کے صلے میں خازن سے رجسٹرار بنا دیا گیا۔ اس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چند برس قبل وہ بھاٹی گیٹ سے سائیکل پر آتا تھا۔ اور اب گلبرگ میں اس کی عالی شان کوٹھی کرائے پر چڑھی ہوئی ہے، اس کے بیٹے کے نام پر ایک کلینک زیر تعمیر ہے، نیو کیمپس کے نواح کی وسیع زمین اس کی ملکیت بن چکی ہے اور اس کے ہر بیٹے کے پاس اپنی کار ہے اس کے رشتے دار نااہل ہونے کے باوجود یونیورسٹی میں اچھے عہدوں پر فائز ہیں۔ پروفیسروں اور لیکچراروں کی جانیں اس کی مٹھی میں ہیں۔ عارضی ملازمین کو مستقل کرنے اور ملازمت میں توسیع کے کلی اختیار سے وہ پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔ کینٹین، بک ڈپوؤں اور تعمیر وغیرہ کا ٹھیکہ اس کے اپنے آدمیوں کو ملتا ہے، اور اس کا منافع میں خاص حصہ ہوتا ہے۔ یونیورسٹی کے انتظامی افسروں کی ریٹائرمنٹ کی عمر صرف اس کی خاطر ۶۰ سال کی گئی ہے (جو سرکاری محکموں میں ۵۵ برس ہے) غرض پنجاب یونیورسٹی کے سیاہ کے سیاہ رو اور سیاہ دل رجسٹرار کی سیاہی کے لئے اب مثالوں کی کمی نہیں۔

اپنے اعمال کی سیاہیوں کو چھپانے اور اپنی گرفت مزید مضبوط کرنے کے لئے شمشاد حیدر کی پالیسی یہ رہی ہے کہ یونیورسٹی میں روشن دماغ، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور باصلاحیت افراد کی زیادہ حوصلہ شکنی کی جائے اور جاہل نااہل اور بدعنوان ٹولے کو اختیارات سونپے جائیں کہ اس کی گردن بھی محفوظ رہے اور اقتدار بھی۔ اور یہیں سے یونیورسٹی کی انتظامی بدعنوانیوں اور کرپشن کی بنیاد پڑی شمشاد حیدر نے ایسے لوگوں کو کلیدی عہدے دلائے جو اس کے سامنے سر نہ اٹھا سکتے تھے اور نااہل اور بدعنوانی کی وجہ سے ہمہ وقت اس کو خوش رکھنے میں مصروف رہتے تھے۔ خازن، کنٹرولر امتحانات، ڈائرکٹر امور طلبا ملحقہ کالجوں کے پرنسپل صدور شعبہ ڈپٹی رجسٹرار۔ ان تمام عہدوں پر قطعاً نااہل مفاد پرست، غیر مقبول اور بدعنوان افراد فائز کئے گئے اور اس سلسلے میں شمشاد حیدر کا عہدہ وسیع اختیارات اور تعلقات کام آئے۔ شمشاد حیدر سے پھوٹنے والی یہ بیماری تدریسی و انتظامی شعبوں میں سرایت کر چکی ہے۔ شعبوں کے سربراہوں سے لے کر ہیڈ کلرکوں تک ہر جگہ نااہلیت جہالت اور بدعنوانی کا راج ہے۔ تحقیق و جستجو کا کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور باصلاحیت افراد جلد ہی یونیورسٹی چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی دھاندلی کے خلاف آواز بلند کرتا ہے تو اس کی شامت آ جاتی ہے۔ شعبہ ارضیات کے سربراہ اور شمشاد حیدر کے خاص آدمی ڈاکٹر شمس کے خلاف شعبے کے اساتذہ اور طلبہ کے الزامات کی تحقیقات کے دوران بارہا اساتذہ اور طلبا پر دباؤ ڈالا گیا اور انہیں دھمکیاں دی گئیں اور نیشنل کالج کے بدعنوان ٹولے کو

بدعنوانی کے الزام

میں ملوّث شمشاد حیدر

کو ترقی دے کر

رجسٹرار بنا دیا گیا

بھی شمشاد حیدر کی سرپرستی حاصل رہی اور اس طرح دوسرے شعبوں میں اس کے خاص آدمی من مانی کرتے رہے۔

حال ہی میں خازن اور کنٹرولر امتحانات کے اہم عہدوں پر نئی تقرریوں کے موقع پر یونیورسٹی پر قابض شمشاد حیدر ٹولے نے ایک بار پھر نااہل اور بدعنوان افراد کو اہل اور باصلاحیت افراد پر ترجیح دی، شعبہ امتحانات میں شدید بے قاعدگیوں اور بدعنوانیوں کے ذمہ دار اسسٹنٹ کنٹرولر کو کنٹرولر کے عہدے پر ترقی دے دی گئی جب کہ موصوف یونیورسٹی قوانین کے مطابق عہدے کے نااہل تھے لیکن یہ تو چند تازہ ترین مثالیں ہیں۔ اگر اس ٹولے کی کاروائیاں لکھی جائیں تو اس کے لئے دفتر درکار ہیں۔ لیکن اختصار کے لئے صرف یہ کہنا کافی ہے کہ نچلی سطح پر ہونے والی بدانتظامیاں، بے قاعدگیاں اور بدعنوانیاں دور کرنے کے لئے خرابیوں کی اس جڑ کو اکھاڑ پھینکنا اشد ضروری ہے تبھی نچلی سطح پر تطہیر مفید ہو سکے گی۔

نظریاتی استحصال

نظریاتی لحاظ سے پنجاب یونیورسٹی بدترین رجعت پسند، موقع پرست اور متعصب ٹولے کے قبضے میں ہے، جس کی ڈوریاں انتہا پسند رجعت پسند سیاسی جماعتوں اور امریکی مراکز سے ہلائی جاتی ہیں۔ سامراجیوں نے طبقاتی اور نظریاتی تقسیم کے واضح ہونے اور عوامی ابھار کے آثار دیکھ کر تعلیمی ادارہ پر سب سے زیادہ توجہ دی اور پنجاب یونیورسٹی پنجاب کی سب سے بڑی درسگاہ ہونے کی وجہ سے ان کی سرگرمیوں اور سازشوں کا خاص نشانہ بنی رہی ہے۔

یونیورسٹی کی سطح پر سامراجی گماشتوں کا ٹولہ غیر نمائندہ مگر اعلیٰ اختیاراتی سینیٹ پر قابض ہے اور اعلیٰ عہدے (وائس چانسلر رجسٹرار ملحقہ کالجوں کے پرنسپل و صدور شعبہ) کی غالب اکثریت ایسے افراد پر مشتمل ہے جو نظریاتی طور پر دائیں بازو سے منسلک ہیں۔ یونیورسٹی سے باہر جماعت اسلامی دوسری رجعت پسند جماعتوں اور گروہوں اور سامراج کے دیگر اداروں اور مراکز ان عناصر کی سرگرمیوں کو کنٹرول کرتے ہیں اور یہ عناصر یونیورسٹی سطح پر اپنے گماشتوں سے کام لیتے ہیں۔ یہ ایک مکروہ مگر وسیع جال ہے جو علم و حکمت اور سیاسی شعور کے اس منبع پر ڈالا گیا ہے۔

یونیورسٹی سینیٹ، جو پہلے منتخب شدہ اور شعبۂ تعلیم سے منسلک افراد پر مشتمل ہوا کرتی تھی، ایوب خان کے زمانے سے سیاسی مقاصد کے لئے مقرر کردہ موقع پرستوں اور مفاد پرستوں کے ہاتھوں میں آ چکی ہے جو حکمران طبقوں کے ہر طرح سے وفادار رہتے ہیں انجمن حمایت اسلام کے صدر اور لاہور کے بازار حسن کی اہم

قدیم اور عظیم دانش گاہ پر بازارِ حُسن کی ایک اہم شخصیت کا سایہ

شخصیت میاں امیرالدین نیشنل پریس ٹرسٹ کے سابق بدنام چیئرمین اور اگرتلہ کیس کے مفرور جج جسٹس ایس اے رحمٰن سینیٹ کے دو ایسے اراکین ہیں جو برسہا برس سے سینیٹ میں شامل کئے جاتے رہے ہیں۔ ان افراد کا علم و دانش سے دور کا بھی تعلق نہیں بلکہ ان کا طرزِ عمل سراسر علم دشمن رہا ہے۔ ان دونوں کی سیاسی وابستگیاں بھی کسی سے پوشیدہ نہیں مگر انہیں یونیورسٹی کے امور میں بیحد عمل دخل حاصل ہے اور ان کی مثال سے ہی سینیٹ کی ماہیت کا اندازہ ہو سکتا ہے یہ لوگ وائس چانسلر اور رجسٹرار کے عہدے پر اپنے مطلب کا آدمی رکھنے کا پورا انتظام رکھتے ہیں اور اس طرح ان کو تمام امور پہ غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ ہر برس قریب قریب وہی ممبران اگلے سال کے لئے چن لئے جاتے ہیں اور ملی بھگت سے ہر جائز و ناجائز فیصلے کی تصدیق کر کے دھاندلیوں کو آئینی شکل دے دی جاتی ہے موجودہ وائس چانسلر علامہ علاؤالدین صدیقی اپنی موقع پرستی اور کم زور شخصیت کے باعث ان عناصر کے مقاصد کے لئے خاصے مفید رہے ہیں، علامہ موصوف کے نام سے یہ ٹولہ ہر فیصلہ کرتا رہا ہے اور کر رہا ہے۔ گالیاں علامہ صاحب کو پڑتی ہیں اور مقاصد اس ٹولے کے پورے ہوتے ہیں۔ رجسٹرار شمشاد حید ر اپنے کردار اور ماضی کی وجہ سے اس ٹولے کا پورا ساتھ دیتا ہے بلکہ انہی میں سے ایک ہے۔

اس کے بعد شعبوں کے سربراہوں اور دوسرے با اختیار افراد کی باری آتی ہے یونیورسٹی کے شعبوں کے سربراہوں، ملحقہ کالجوں کے پرنسپلوں اور دوسرے اہم عہدوں پر رجعت پسندوں کے کارندے براجمان ہیں۔ لاء کالج کے پرنسپل شیخ امتیاز، ہیلے کالج کے پرنسپل سید غلام مرتضےٰ شعبہ صحافت کے صدر ڈاکٹر عبدالسلام خورشید شعبہ اطلاقی نفسیات کی صدر ڈاکٹر رفیعہ حسن، شعبہ فلسفہ کے صدر خواجہ غلام صادق شعبہ کیمیکل انجنیئرنگ کے صدر خواجہ صلاح الدین شعبہ فائن آرٹس کی صدر مادام اینا مولکا شعبہ ارضیات کے صدر ڈاکٹر الف شمس، شعبہ جغرافیہ کے صدر کرنل کے یو۔ قریشی ادارۂ معارف اسلامیہ کے سربراہ ڈاکٹر سید عبداللہ شعبہ انتظامیات کے صدر ڈاکٹر فضل مختلف تدریسی شعبوں کے ایسے سربراہ ہیں۔ جن کی سیاسی وابستگیاں واضح طور پر دائیں بازو کے ساتھ ہیں۔ اور جو نظریاتی اختلاف کی بنا پر انتقامی کارروائیاں کرتے رہے ہیں اور یونیورسٹی حدود میں رجعت پسندوں کے مقاصد پورے کرتے رہے۔ مذکورہ شعبوں میں ترقی پسند ملازمین اساتذہ اور طلبا کا ناطقہ بند کیا جاتا رہا اور رجعت پسندوں کو ناجائز مراعات ملتی رہی ہیں۔ یہ شعبے رجعت پسند طلبا اور اساتذہ کے مراکز بنے رہے ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر عبدالسلام خورشید خواجہ غلام صادق خواجہ صلاح الدین وغیرہ تو عملی طور پر ایک منظم طریقے سے یونیورسٹی کے ترقی پسندوں کو نقصان پہنچانے اور دائیں بازو کے طلبا اور اساتذہ کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے کام کرتے رہے ہیں اور ان کے جماعت اسلامی اور سامراجی گماشتہ گروہوں سے روابط کوئی راز نہیں

یونیورسٹی فیکلٹی میں عوام، علم اور طلبہ کے

سامراجی گماشتوں کا ٹولہ اعلیٰ اختیار کی سینیٹ پر بھی قابض ہے

دشمنوں میں اورنٹیل کالج کے وحید قریشی اور یحییٰ خالد، شعبہ جغرافیہ کی مس مریم، شعبہ انگریزی کے اسمٰعیل بھٹی شعبہ اسلامیات کے خالد علوی، آئی۔ ای۔ آر کے ذوالفقار، محمد الیاس اور انور حسین، شعبہ نفسیات کے انور بیگ شعبہ سیاسیات کے اسلم قریشی اور منیر چغتائی ہیلے کالج کے سہیل اختر، شعبہ ارضیات کے فضل صدیقی اور شعبہ صحافت کے مسکین حجازی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان نام نہاد اساتذہ نے گذشتہ برسوں میں ترقی پسندی کے جرم میں متعدد طلبا کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے اور اپنے پیشے سے غداری کا ارتکاب کیا ہے۔ بائیں بازو کے طلبا کے خلاف انتقامی کارروائیوں اور غیر جانبدار اور عوام دوست اساتذہ کے خلاف رجعت پسند اخبارات میں کیچڑ اچھالنے اور رجعت پسند انتظامیہ کے ہاتھ مضبوط کرنے میں ان افراد کا بڑا ہاتھ ہے۔

پنجاب یونیورسٹی یونین اور اکیڈیمک سٹاف ایسوسی ایشن، ایڈمنسٹریٹو سٹاف ایسوسی ایشن اور ملحقہ کالجوں کی یونینوں کے انتخابات میں یونیورسٹی انتظامیہ پر قابض یہ رجعت پسند گروہ کھلے بندوں اور ہر طریقے سے دائیں بازو کی مدد کرتا ہے اور ہر مرتبہ بائیں بازو کو دھاندلی اور جانبداری کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ تاہم اکیڈیمک سٹاف ایسوسی ایشن اور ایڈمنسٹریٹو سٹاف ایسوسی ایشن کے انتخابات میں ہر سال اس ٹولے کو شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح ملحقہ کالجوں کی یونینوں میں بھی ترقی پسند امیدوار کامیاب ہوتے ہیں۔ تاہم یونیورسٹی یونین کے دو کلیدی عہدوں پر گذشتہ برس ایسے امیدوار کامیاب ہو گئے جو ان عناصر کے ہاتھ میں کھیل سکتے تھے۔ اس کی وجہ یونیورسٹی کے بائیں بازو کے طلبا میں اتحاد و یگانگت اور وسائل کی کمی کے علاوہ انتظامیہ کی جانبداری بھی تھی۔

ملکی انتخابات میں عبرت ناک شکست کے بعد اور اب پیپلز پارٹی کے برسر اقتدار آنے کے بعد رجعت پسند عناصر طلبا پر توجہ مرکوز کئے ہوئے ہیں اور خدشہ ہے کہ مستقبل میں وہ اپنے قدم زیادہ مضبوطی سے جمانا چاہیں گے اور پنجاب یونیورسٹی کو اس منصوبے میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ چونکہ ابھی تک اس یونیورسٹی کے امور سامراجی گماشتوں اور عوام دشمنوں کے قبضے میں ہیں، یہ منصوبہ تشویش ناک صورت اختیار کر سکتا ہے اور اقتصادی و سیاسی اصلاحات کو ناکام بنانے اور انتشار پھیلانے کے لئے اس ادارے کو ایک مرکز بنایا جا سکتا ہے۔

تعلیمی استحصال

نہ صرف یہ کہ پنجاب یونیورسٹی انتظامی اور نظریاتی لحاظ سے استحصال اور لوٹ کھسوٹ کا شکار ہے بلکہ علم و دانش کے لحاظ سے بھی اس اعلیٰ درسگاہ کا حال بہت برا ہے عام تاثر اور توقع یہ ہے کہ پنجاب یونیورسٹی میں قابل ترین اساتذہ اور منتظمین ہوں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہاں ایسے افراد کو تدریسی اور انتظامی امور میں اعلیٰ اختیارات دیئے گئے ہیں جو شاید انٹر کالجوں میں بڑھانے کے بھی اہل نہ ہوں۔ تدریسی عملے میں بوڑھے اور جدید علوم سے نابلد افراد پروفیسریوں پر فائز ہیں، صرف اس لئے کہ اعلیٰ

اورنٹیل کالج کے بدعنوان ٹولے کو یونیورسٹی کے رجسٹرار کی سرپرستی حاصل ہے

افسران سے ان کے ذاتی مراسم ہیں اور یہ کہ نئی نسل سے سبھی خوفزدہ ہیں۔ چونکہ نوجوان اساتذہ محنتی اور سرگرم ہوتے ہیں اور بوڑھے پروفیسروں اور افسروں کے اقتدار کے لئے خطرہ ہیں، اس لئے کوشش کی جاتی ہے کہ گولڈ میڈلسٹ اور فرسٹ ڈویژن نوجوانوں کی بجائے تھرڈ ڈویژن، ریٹائرڈ شدہ بوڑھوں کو تدریسی ذمہ داریاں سونپی جائیں، جو ایک تو توسیع ملازمت کے لئے افسران کے محتاج ہوں اور دوسرے نااہلیت کی وجہ سے دوسرے کے لئے چیلنج نہ بن سکیں۔

حال یہ ہے کہ ایک طرف تو یونیورسٹی کے اپنے فارغ التحصیل ذہین اور باصلاحیت نوجوان بے روزگار ہیں اور دوسری طرف متعدد پوسٹیں خالی ہونے کے باوجود انہیں ملازمت نہیں دی جاتی۔ یونیورسٹی میں تحقیقی کام کے بے حد مواقع ہیں مگر ان نوجوانوں کو اس کا موقع بھی نہیں دیا جاتا۔ شعبہ اطلاقی نفسیات کی مثال سے بات واضح ہو سکتی ہے۔ اس شعبے کے اکثر طلبہ (گولڈ میڈلسٹوں سمیت) بے کار ہیں اور شعبے کی نصف پوسٹیں خالی ہیں مگر نوجوان سے خوف زدہ صدر شعبہ کو خالی نشستیں منظور ہیں، بے کار نوجوانوں کو روزگار دینا منظور نہیں۔

اس وقت پنجاب یونیورسٹی کے اکثر شعبوں کی سربراہی نااہل افراد کے ہاتھوں میں ہے جنہیں نہ انتظامی امور کا سلیقہ ہے اور نہ اپنے مضمون پر عبور۔ فلسفہ، نفسیات صحافت اور ارضیات اور ادارہ تعلیم و تحقیق کے متعدد شعبے اس ضمن میں قابل ذکر ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ تعلیمی معیار بری طرح زوال پذیر ہے۔ اس کے علاوہ یہ اصحاب اپنی نااہلیت کو چھپانے کے لئے نااہلوں کو ہی بھرتی کرتے ہیں اور قابل اور باصلاحیت افراد کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ ادارہ جسے تعلیم و تحقیق کا مرکز ہونا چاہیئے تھا، محض ڈگریاں بانٹنے کا ادارہ بن کر رہ گیا ہے۔

ضروری اقدامات

یہ درست ہے کہ مستقل علاج تو نظام تعلیم میں انقلابی تبدیلیوں ہی سے ممکن ہے، مگر جب تک ان کا منصوبہ تیار ہو، ضروری ہے کہ ابتدائی اقدامات کئے جائیں تاکہ زمین بھی ہموار ہو اور طلبہ اساتذہ اور ملازمین کو بدعنوان اور عوام دشمن عناصر سے نجات بھی ملے۔ اگرچہ یہ عناصر شدید تادیب کے مستحق ہیں مگر فکری آزادی اور یونیورسٹیوں کی خود مختاری کے اصولوں کے پیش نظر یہ مشورہ دینا مناسب نہ ہوگا کہ ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے اور ان کی زیادتیوں اور ناانصافیوں کا جواب اسی سطح پر دیا جائے۔ اساتذہ کے اخراج کا مطالبہ بھی شاید کچھ زیادتی ہو مگر کم از کم اس بات پر سب متفق ہوں گے کہ اصلاح احوال کے لئے جن افراد سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے ان سے نجات حاصل کی جائے۔ جن افراد کی گرفت انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہونی کی جائے، جن ناسوروں کا کاٹ پھینکنا ضروری ہے، انہیں کاٹا جائے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جن طلبا، اساتذہ اور ملازمین کو ان بدعنوان اور علم دشمن عناصر کے انتقام کا نشانہ بننا پڑا، ان کے نقصان

یونیورسٹی کے معاملات کی تحقیقات کی جائے اور بدعنوان افراد کو برطرف کیا جائے

کا ازالہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اقدامات بہت ضروری ہیں۔

(۱) ۔ وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی علامہ علاؤالدین صدیقی سے استعفیٰ لے کر کسی سینئر اور علم دوست اور عوام دوست پروفیسر یا ممتاز ماہر تعلیم کو یہ عہدہ سپرد کیا جائے (ڈاکٹر محمد اجمل، پروفیسر سراج الدین، پروفیسر بشیر احمد لودھی، پروفیسر ایرک سپرین، ڈاکٹر نذیر احمد یا کسی ایسی ہی شخصیت کا تقرر کیا جا سکتا ہے)۔

(۲) رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی سید شمشاد حیدر کو بلا تاخیر معزول کر کے اس کے خلاف تحقیقات کی جائے اس کے اعزا و اقربا کو حاصل خصوصی مراعات بھی چھین لی جائیں۔

۳ نیو کیمپس تعمیراتی فنڈ میں لاکھوں روپے کے غبن کے نتائج فوراً منظر عام پر لائے جائیں اور مجرموں کے خلاف کارروائی کی جائے۔

(۴) لاء کالج کے آمر مزاج اور عوام دشمن پرنسپل شیخ امتیاز اور معروف رجعت پسند سید غلام مرتضیٰ پرنسپل بیلے کالج کو رخصت کیا جائے اور ان کی جگہ کسی ممتاز اور عوام دوست ماہر قانون اور ماہر اقتصادیات کو یہ عہدے دیئے جائیں۔

(۵) شعبہ انتظامیات کے سربراہ ڈاکٹر افضل کو برطرف کر کے ان کے خلاف تحقیقات کی جائے۔

۶ ۔ شعبہ کیمیکل انجنیئرنگ کے سربراہ خواجہ صلاح الدین سے سربراہی چھین لی جائے اور ان کے سیاسی دوستوں (از قسم شورش کاشمیری) کے ان سے تعلقات کی تحقیقات کی جائے۔

(۷) سینیٹ کو بلا تاخیر منتخب اساتذہ اور عوامی نمائندوں پر مشتمل ادارے کی شکل دی جائے۔ سنڈیکیٹ میں بھی اساتذہ طلبہ اور ملازمین کے نمائندے شامل کئے جائیں۔ جسٹس رحمٰن میاں امیر الدین، خواجہ اسلم جیسے افراد کو یونیورسٹی کے اداروں سے ہمیشہ کے لئے رخصت کر دیا جائے

(۸) کنٹرولر امتحانات خازن یونیورسٹی اور دوسرے اہم انتظامی عہدوں پر سے اعلیٰ افسران کے رشتے داروں یا ساتھیوں کی جگہ اہل افراد کا تقرر کیا جائے۔

(۹) شعبہ صحافت کے صدر ڈاکٹر عبدالسلام خورشید (ناٹیوان فیم) کو برطرف کر کے ان کا یونیورسٹی میں داخلہ بند کیا جائے شعبے کے خارج شدہ ترقی پسند استاد مہدی حسن کو فوراً بحال کیا جائے۔

(۱۰) شعبہ ارضیات کے سربراہ ڈاکٹر شمس کے خلاف بدعنوانی کے الزامات کی تحقیقات جو ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی کر چکی ہے کے نتائج کے مطابق ان صاحب کے خلاف کارروائی کی جاتے۔

(۱۱) شعبہ فلسفہ اور نفسیات کی سربراہی اہل اور باصلاحیت ماہرین فلسفہ و نفسیات کے سپرد کی جائے

(۱۲) اورنٹیل کالج میں علامہ علاؤالدین صدیقی اور

اگرتلہ کیس کے مفرور جج برسہابرس سے سینیٹ میں شامل ہیں

ڈاکٹر وحید قریشی کی ملی بھگت سے جو انتشار ہے اسے دور کرنے کے لئے کالج کے معاملات کو موجودہ پرنسپل اور اساتذہ کو اختیار دیا جائے۔

(۱۳) شعبہ سیاسیات کے اسلم قریشی اور منیر جغتائی جن پر طلبہ کو محض نظریاتی اختلاف کی بنا پر فیل کرنے کا الزام ثابت ہوچکا ہے کے خلاف فوری کارروائی کی جائے۔

(۱۴) تدریسی نشستوں پر نوجوان اور باصلاحیت افراد کا تقرر کیا جائے اور تمام خالی نشستیں پر کی جائیں۔ مزید برآں تحقیقی منصوبوں اور تراجم کے لئے نوجوان فارغ التحصیل طلبا سے مدد لی جائے۔

(۱۵) امتحانات کے شعبے کی بے قاعدگیوں اور بدعنوانیوں کے ذمہ داروں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے دوسرے انتظامی شعبوں کی کارکردگی بہتر بنانے کے لئے اقدامات کئے جائیں۔

(۱۶) اساتذہ ملازمین اور طلبا کے نمائندوں کی مدد سے یونیورسٹی کے نظم ونسق کو بہتر بنانے کے لئے اقدامات کئے جائیں۔

(۱۷) ادارہ تعلیم وتحقیق کو بدعنوان اور بدکردار افراد سے نجات دلائی جائے۔ خاص طور پر شعبہ ریسرچ کے سربراہ ڈاکٹر ذوالفقار اور ان کی منظور نظر ماتحت کے معاملے کی تحقیقات کی جائے۔

(۱۸) گرلز ہوسٹل نمبرا کی وارڈن ڈاکٹر مس مریم کو طالبات پر اپنی محرومیوں کا غصہ نکالنے کی اجازت نہ دی جائے اور موصوفہ کو ہوسٹل سے رخصت کردیا جائے۔

(۱۹) شعبہ اردو طلبہ کے مقاصد اور دائرہ عمل کا از سرنو تعین کیا جائے (طلبا اور اساتذہ کے مشورے سے۔

(۲۰) انتہائی مجبوری کے علاوہ ۶۰ برس سے زائد کے تمام پروفیسروں کو ریٹائر کردیا جائے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے لئے قائم کردہ خصوصی عہدے کو ختم کیا جائے اور انہیں باقی عمر یادالہیٰ میں بسر کرنے کی اجازت دی جائے۔

(۲۱) یونیورسٹی مسجد پر لاکھوں روپے کے مجوزہ اخراجات کو کم کرکے مسجد کو سادہ اور ضروریات کے مطابق تعمیر کیا جائے اولڈ کیمپس کے شعبوں کو نیو کیمپس منتقل کرنے کے لئے فوری اقدامات کئے جائیں۔

(۲۲) بدعنوان اور بوڑھے صدور شعبہ کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے "گردشی صدارت" کی تجویز پر غور کیا جائے جو اساتذہ کی انجمن ۱۹۶۹ء ہی میں منظور کرچکی ہے۔

(۲۳) وہ تمام ارکان فیکلٹی جو ماضی میں سیاسی سرگرمیوں میں براہ راست حصہ لیتے اور طلبا کے معاملات میں کھلم کھلا مداخلت کرتے رہے ہیں (خواہ وہ کسی بھی بازو سے متعلق ہوں) کو تنبیہہ کی جائے کہ وہ خود کو محض درس وتدریس سے متعلق رکھیں اپنے ذاتی نظریات رکھیں نگران کو ٹھونسنے یا ان کی بنا پر انتقامی کارروائیاں کرنے سے اجتناب کریں۔

(۲۴) پنجاب یونیورسٹی آرڈی ننس کی جگہ نیا عوامی اور ترقی پسندانہ یونیورسٹی ایکٹ نافذ کرنے کے لئے ضروری اقدامات کئے جائیں۔

(۲۵) برس ہا برس سے عارضی چلے آنے والے اساتذہ کی ملازمت مستقل کی جائے اور مختلف شعبوں میں تقرری اور داخلوں کے لئے معروضی طریق کار اختیار کیا جائے۔

مندرجہ بالا اقدامات اور ان سے متعلق فیصلے کرنے سے پنجاب یونیورسٹی اس مرض الموت سے بچ سکتی ہے جس میں وہ گرفتار ہے۔ اس طرح نہ صرف ملک کی ایک اعلیٰ اور قدیم ترین درسگاہ دوبارہ اپنا مقام حاصل کرے گی بلکہ دوسرے اداروں کے لئے مثال بھی قائم کرسکے گی۔ امید کی جاتی ہے کہ گورنر پنجاب اور ان کے رفقاء ان پر غور کریں گے اور عوامی مفاد کے پیش نظر فوری کارروائی کریں گے۔



میں نے پیپلز پارٹی کو ووٹ کیوں دیا؟

میں نے پیپلز پارٹی کو ووٹ دے کر
محرومیوں اور مایوسیوں سے انتقام لیا

نعیم آروی

صبح کاذب کی ہلکی، دھندلی روشنی میں بکرا پیڑی کی کسی مسجد سے موذن کی اذان کی صدا بلند ہوتی ہے۔ بے شمار انگنت جھگیوں کے اندر انسانی زندگی نئے دن کی آمد سے کلبلانے لگتی ہے محنت، مسلسل محنت کا ایک اور دن۔ نیا دن جس کی جھولی میں غریبوں، مزدوروں اور محنت کشوں کے لئے محرومیوں، مایوسیوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ایسے میں ایک جھگی کے دروازے سے ایک نوجوان قلعی گر محمد حسین باہر نکلتا ہے۔ دروازہ پر اس کی کھٹالہ سائیکل کھڑی ہے، اسے میلے جھاڑن سے جلدی جلدی صاف کرتا ہے زنگ آلود ہینڈل پر دو تین میلے کچیلے برتن رکھتا ہے، اندر سے اس کے بیمار باپ کے مسلسل کھانسنے کی آوازیں آ رہی ہیں.

وہ زور سے کہتا ہے۔ "بابا دروازہ بند کر لے میں دکان جا رہا ہوں۔ خدا حافظ"۔

محمد حسین قلعی گر آخری بار اپنی جھگی اپنے پیارے گھر کو دیکھتا ہے جہاں وہ پیدا ہوا اور پھر تیز تیز پیڈل مارتا ہوا نرسری کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ بکرا پیڑی سے نرسری۔ غربت سے امارت کی طرف. جھگیوں سے محلوں کی جانب۔ مایوسی، محرومی اور بدحالی کی دنیا سے نکل کر کامیابی، آسودگی اور خوشحالی کی دنیا کی طرف، روزگار کی تلاش میں۔ روٹی کی جستجو میں۔ رات کے اندھیرے میں، دن بھر کی جان توڑ مشقت کے بعد جب وہ دوبارہ اپنی محرومیوں کی دنیا میں واپس لوٹتا ہے۔ تو اس کی میلی جیب میں صرف ایک دن کا خرچہ ہوتا ہے.

بکرا پیڑی سے نرسری کا فاصلہ بہت زیادہ ہے، اتنا زیادہ کہ کوئی سیٹھ پیدل یا سائیکل کا پیڈل چلا کر یہ فاصلہ طے کرنے کا تصور نہیں کر سکتا۔ وہ اس قسم کے فاصلوں کو مرسیڈیز، بیوک اور موریس وغیرہ سے منٹوں میں طے کرتے ہیں۔ اگر آپ کو صبح سویرے بکرا پیڑی اور نرسری کے درمیان میلے کپڑوں میں ملبوس کوئی نوجوان تیز تیز سائیکل چلاتا ہوا مل جائے تو آپ فوراً سمجھ لیں کہ یہ محمد حسین قلعی گر ہے، اس ملک کے لاکھوں محنت کشوں کا نمائندہ

محمد حسین ۱۲ بجے تک نرسری میں گھوم پھر کے پرانے اور زنگ آلود برتن جمع کرتا ہے، دوپہر کے بعد اپنی چھوٹی سی، تنگ و تاریک کوٹھری کے باہر بیٹھ کر آگ میں تپا تپا کر ان برتنوں کا میل چھڑاتا ہے، انہیں چمک دمک کی نئی زندگی دے کر خوش ہوتا ہے، اتنا خوش اور مسرور کہ اپنی میلی اور تاریک زندگی کی تمام محرومیوں اور بے چارگیوں کو چند لمحوں کے لئے فراموش کر دیتا ہے۔ آگ کی گرمی اور ہاتھوں کی مسلسل حرکت سے اس کا سارا جسم پسینے سے شرابور ہو جاتا ہے، کام سے فارغ ہونے کے بعد سر پر بندھے ہوئے میلے جھاڑن سے اپنی عرق آلود پیشانی اور چہرہ صاف کرتا ہے. ٹھنڈے پانی کے دو چار گھونٹ پینے کے بعد وہ ایک طرف خاموشی سے بیٹھ کر کچھ سوچنے لگتا ہے.

وہ کراچی میں پیدا ہوا، یہیں کا باشندہ ہے. مگر اس کا کوئی گھر نہیں۔ کوئی مستقبل نہیں۔ اس ملک کے لاکھوں مزدوروں کی طرح وہ آج بھی اس استحصالی نظام کے خونخوار پنجے میں جکڑا ہوا لہولہان ہے۔ اس کے جسم سے جسم کے ایک ایک حصے، رگ رگ اور نس نس سے خون ٹپک رہا ہے. مگر وہ اپنے مستقبل سے اب بھی مایوس نہیں۔ وہ ابھی تک اس امید پر زندہ ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کو اقتدار مل گیا تو سب سے پہلے اس جیسے لاکھوں، کروڑوں مزدوروں اور کسانوں کے حالات درست کئے جائیں گے انہیں دوسروں کی طرح باعزت اور بامقصد زندگی گذارنے کا موقع ملیگا

محمد حسین قلعی گر نے عام انتخابات میں اپنے حلقے سے پیپلز پارٹی کے امیدوار ستار گبول کو ووٹ دیا۔ میرے اس سوال پر کہ اس نے پیپلز پارٹی کو کیوں ووٹ دیا۔ اس نے سیدھے سادے

سوشلزم آگیا تو ہماری زندگی سدھر جائے گی

لفظوں میں اپنا مطلب بیان کر دیا۔" صاحب میں جس جھگی میں رہتا ہوں اس میں اتنے بڑے بڑے سوراخ ہیں کہ بلی پیشاب کرے تو چھت ٹپکنے لگتی ہے۔ میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں۔ مگر جب میں گھومتا ہوں تو سارا شہر اپنا نہیں غیر لگتا ہے، بڑے لوگوں کا شہر، کار، کوٹھی اور بنگلے والوں کا شہر۔ مجھے اپنے جیسے دوسرے بھائیوں سے کوئی شکایت نہیں۔ وہ بھی میری طرح راستے کا پتھر بنے ہوئے ہیں۔ شکایت تو ان لوگوں سے ہے جو ہم پر حکومت کرتے رہے مگر کبھی ہماری بھلائی کا خیال نہیں کیا۔ کرسی پر بیٹھنے سے پہلے ہماری باتیں کرتے ہیں اور جب کرسی مل جاتی ہے تو پھر ہمارا گلا کاٹنے میں لگ جاتے ہیں۔ اس بات کا خیال کریں کہ بچپن سے لے کر اب تک میں نے بہت سی پارٹیوں کو دیکھا بہت سے لیڈر لوگوں کو دیکھا سب لوگ ایک جیسی باتیں کرتے ہیں کہ "ہم غریبوں کی بھلائی کریں گے، یہ کریں گے، وہ کریں گے"۔ مگر حالات کو دیکھو ویسے کا ویسا، ہماری زندگی میں چھوٹی سی تبدیلی بھی نہ آئی۔ بھٹو صاحب پہلا لیڈر ہے جس نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر ہم کو اقتدار مل گیا تو سب سے پہلے غریبوں اور مزدوروں کی بھلائی کرے گا۔ بھٹو صاحب سوشلزم کی باتیں کرتا ہے۔ سنا ہے کہ اگر سوشلزم آگیا تو ہماری زندگی سدھر جائے گی، روزگار ملے گا۔ گھر ملے گا۔ عزت ملے گی، کوئی کسی سے چھوٹا نہ ہوگا اور نہ پیسے والا ہم جیسے لوگوں پر رعب گانٹھے گا"۔

اس نے بتایا۔ "الیکشن کے زمانے میں ایک سرمایہ دار کے چمچوں نے اسے بہت تنگ کیا اور دھمکی دی کہ اگر اس نے پیپلز پارٹی کو ووٹ دیا تو اس کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ مگر اس نے اس دھمکی کی پرواہ نہ کی۔ دن رات پیپلز پارٹی کی کامیابی کے لئے کام کرتا رہا۔ ایک اسلام پسند جماعت کے غنڈوں نے اس کی پٹائی بھی کی۔ مگر وہ ایک روشن اور کامیاب زندگی کی خاطر مارپیٹ، دھمکی اور گالیاں برداشت کرتا رہا۔ اس کے راستے میں کوئی چیز حائل نہ ہو سکی۔ اس نے الیکشن کے دن پیپلز پارٹی کے امیدوار کو ووٹ دے کر اپنی زندگی کی ساری محرومیوں اور مایوسیوں کا انتقام لے لیا۔ اس نے دولت اور امارت کے ظلم اور جبر کے ایوانوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں سے ڈھا دیا۔ اس نے کہا صاحب جس روز یہ پتہ لگا کہ ہمارا امیدوار جیت گیا۔ اور سرمایہ دار ہار گیا تو ایسا لگا۔ جیسے مجھے سب کچھ مل گیا۔ گھر مل گیا، روزگار مل گیا، عزت مل گئی۔ اس روز رات کو میں اطمینان سے سویا۔ بڑے اچھے اچھے خواب نظر آئے۔ کراچی کی ایک ایک جگہ بکرا پیڑی جیسی لگی"۔

محمد حسین کی ماہانہ آمدنی زیادہ سے زیادہ سو سوا سو روپے ہے جن لوگوں کی وہ کفالت کرتا ہے، ان کی تعداد سات ہے۔ اس میں اس کا ایک شیر خوار بچہ اور مسلسل بیمار اور مسلسل کھانسنے والا باپ بھی شامل ہے، جس کی دوا کا بندوبست وہ آج تک نہیں کر سکا۔ وہ ان پڑھ ہے، اکھڑ لہجے مگر صاف ستھری اردو زبان میں بات کرتا ہے، وہ تعلیم حاصل نہیں کر سکا۔ اس بات کا اسے بہت غم ہے۔ اس نے کہا۔ "صاحب ہمارے گھر کے حالات ایسے نہیں ہوتے کہ ہمارے بچے پڑھ سکیں، ہمارے بوڑھے ماں باپ اپنے بچوں کی تعلیم میں بالکل دلچسپی نہیں لیتے۔ وہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ بچہ کب ہاتھ پیر چلانے کے قابل ہوتا ہے، میں نہیں پڑھ سکا، کوئی بات نہیں، مگر اب پیپلز پارٹی آگئی ہے۔ میری خواہش ہے کہ میرا بچہ تعلیم حاصل کرے کیا اب بھی ایسا نہیں ہو گا؟" اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا اور میں اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے۔ جھٹ سے دوسرا سوال کر دیتا ہوں۔

اس نے کہا۔ "ہم لوگوں کو پیپلز پارٹی پر پورا یقین ہے کہ اس نے جو وعدہ کیا ہے، اسے پورا کرے گی۔ صرف میں نے ہی

بھٹو نے
حالت درست نہ
کی تو دنیا پر سے
ایمان اُٹھ جائے گی

ووٹ نہیں دیا۔ میرے علاقے کے تمام لوگوں نے اس پارٹی کو ووٹ دیا۔ اب اگر اس نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا تو اس کا حشر بھی دوسری پارٹیوں جیسا ہو گا۔ کوئی پوچھے گا بھی نہیں، غریبوں کو دھوکا دینے والا کبھی خوش نہیں رہتا۔ ایک بات اور بتا دوں صاحب، اگر بھٹو ہماری حالات درست نہیں کرے گا۔ تو خدا قسم دنیا پر سے ہمارا ایمان اٹھ جائے گا"۔

محمد حسین نے کہا۔ "ہمارے گھر میں عام طور سے سبزی اور دال پکتی ہے۔ اس پر گزارا ہوتا ہے۔ جس روز گوشت پکتا ہے۔ بس مزا آجاتا ہے، دو تین مہینے میں ایسا اچھا موقعہ ایک بار ہی آتا ہے، بس بابو یہ سمجھ لو کہ جس روز مل گیا۔ تو کھا لیا۔ جس روز نہیں ملا تو بھوکا سو گیا۔ البتہ بچے اور بوڑھے باپ کے لئے تو کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑتا ہے"۔

اس نے بتایا کہ نرسری کی اس چھوٹی سی دکان پر اس کا باپ کام کرتا تھا۔ پھر وہ بیمار پڑ گیا۔ علاج کے لئے پیسہ نہیں تھا بیماری دھیرے دھیرے بڑھتی گئی۔ اور وہ چارپائی سے لگ گیا۔

اس نے اپنے باپ کی جگہ دکان پر آنا جانا شروع کر دیا کسی نہ کسی کو تو کام کرنا ہی تھا۔ ورنہ سب بھوکے مر جاتے آہستہ آہستہ اس نے اپنے والد کا سارا کام سنبھال لیا۔ اور اپنے کنبے کی گاڑی کھینچنے لگا"۔ اس نے ایک بڑی کار آمد بات بتائی۔ سنیئے اس نے کہا "صاحب ہمارا کنبہ ایک گاڑی کے موافق ہوتا ہے اور کنبہ کا سب سے مضبوط مرد، جانور کی طرح اس گاڑی کو چلاتا رہتا ہے۔ جب کمزور ہو جاتا ہے یا فوت ہو جاتا ہے تو اس کی جگہ کنبہ کا کوئی دوسرا جانور لے لیتا ہے۔ میں نے اس گاڑی کو اسی طرح چلتے دیکھا اور جانے کب تک دیکھتا رہوں"۔

میرے ایک سوال کے جواب میں اس نے کہا۔ "میں یہ نہیں کہتا کہ میں بھٹو صاحب کو ووٹ دیا، ان کی پارٹی کے لئے کام کیا تو میرا ہی بھلا ہو، نہیں۔ اگر بھلا ہو تو سب کا سارے غریبوں کے دن پھریں، سب لوگ سکھ اور چین کی زندگی گذاریں میں یہاں چند باتیں ضرور کہوں گا تاکہ پیپلز پارٹی ان پر فوراً توجہ دے۔

سب سے پہلی بات، ہم آرام سے زندگی گذار سکیں راشن، تیل، لکڑی سستی کی جائے۔

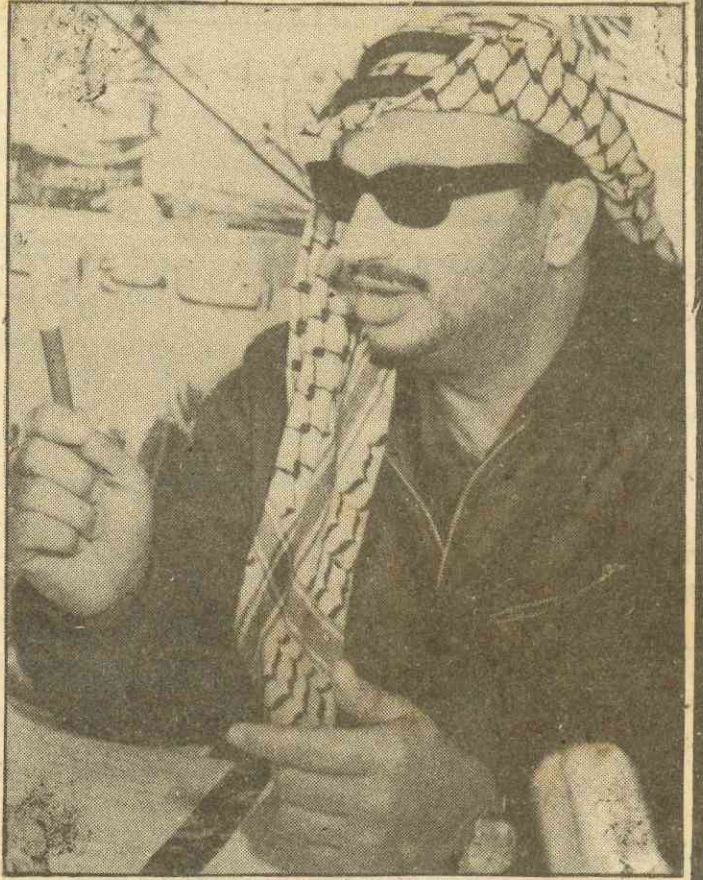
دوسری بات، مزدوروں کی عزت ہونی چاہیئے۔ انہیں روزگار دلایا جائے، اتنے پیسے دیئے جائیں کہ وہ گذر بسر کر سکیں ان کے بچے تعلیم حاصل کر سکیں، ہمارے جیسے لوگ ڈاکٹر اور دوا کی حسرت لئے مر نہ جائیں۔

تیسری بات:۔ پولیس والے چھوٹے چھوٹے کاروبار کرنے والوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ اگر کبھی کام میں دیر ہو جاتی ہے تو راستے میں پکڑ لیتے ہیں۔ اور تنگ کرتے ہیں، بھتہ مانگتے ہیں

چوتھی بات اور ضروری بات:۔ مکان پکا ملنا چاہیئے۔ برسات کے موسم میں جھگی بری طرح ٹپکتی ہے۔ سردی اور گرمی میں اندر بیٹھنا مشکل ہوتا ہے۔ بے پردگی بھی بہت ہوتی ہے۔

پانچویں بات:۔ سرکاری اسپتالوں میں لال مکسچر دے کر ٹال دیا جاتا ہے، مریضوں کو داخلہ نہیں ملتا۔ ان کی اچھی طرح دیکھ بھال نہیں ہوتی۔ ان اسپتالوں میں ہم جیسے غریبوں کے علاج پر خوب توجہ دی جائے۔

فلسطین کا فیصلہ بندوق سے ہوگا



الفتح رپورٹ

یہ فلسطینی انقلاب کی ساتویں سالگرہ ہے فلسطینی انقلاب منزل کی جانب رواں دواں ہے سامراج اور اس کے گماشتوں نے اس انقلاب کے راستے میں رکاوٹوں کے پہاڑ کھڑا کیے۔ قتل عام اور بربریت کا مظاہرہ کیا فلسطینی کیمپوں اور فلسطینی حریت پسندوں کے کے ٹھکانوں کو آگ اور خون کے سمندر میں غرق کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا گیا۔ عمل کیا گیا، مگر فلسطینی انقلاب کو آگے بڑھنے سے کوئی طاقت نہ روک سکی۔ اب یہ انقلاب پہلے سے زیادہ سنبھل کر آگے بڑھ رہا ہے۔ اس کا حال ماضی کے شجاعانہ کارناموں سے شرمندہ نہیں مستقبل شاندار ہے فلسطینی مہاجرین اور مشرق وسطیٰ کے مظلوم عوام کی آخری امید عرب حریت پسندوں کی مسلح جدوجہد میں مضمر ہے۔

۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ سے ڈھائی سال قبل یعنی جنوری ۱۹۶۵ء میں الفتح کے حریت پسندوں نے مقبوضہ علاقوں میں پہلی بار مسلح جدوجہد کا آغاز کرتے ہوئے فائر کیا۔ اور نعرہ لگایا "فلسطین کی قسمت کا فیصلہ بندوق سے ہوگا۔" اس کے بعد الفتح کی مسلح تنظیم میں انقلابی نوجوان تیزی سے شامل ہونے لگے۔ امریکی سامراج اور اسرائیلی توسیع پسندوں کے شکنجے میں جکڑے ہوئے عرب عوام کو یقین ہو گیا کہ ان کی نجات کا سورج طلوع ہو چکا ہے انہوں نے ہتھیار اٹھا لئے۔ کیونکہ ان کی آزادی اور خود مختاری کا یہ واحد راستہ ہے۔ دوسرے تمام ذرائع ناکام ہو چکے تھے۔ اقوام متحدہ عربوں کو قومی حقوق دلوانے میں ناکام ہو گیا۔ قراردادیں تو بہت منظور کی گئیں، مگر وہ تمام کی تمام کاغذ کا بیجان ٹکڑا ثابت ہوئیں۔ اسرائیل اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہا اور وہ عرب علاقوں پر قبضہ کرنے کی توسیع پسندانہ پالیسی سے ایک انچ پیچھے نہ ہٹا۔

عرب اسرائیل تنازعہ کے حل کے سلسلے میں اقوام متحدہ کی قراردادوں کا وہی حشر ہوا جو حال ہی میں مشرقی پاکستان کے مسئلے میں ۱۰۴ ممالک کی اکثریت سے منظور کی جانے والی قرارداد کا ہوا۔ اقوام متحدہ اپنے وجود سے لے کر آج تک بڑی طاقتوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنا رہا یہ بین الاقوامی ادارہ فوری طور پر مسائل حل کرانے میں ہمیشہ شرمناک طور پر ناکام ثابت ہوا۔

الفتح نے جہاں سیاسی اور عسکری محاذ پر ایک مسلسل اور ناقابل شکست جدوجہد کا آغاز کیا وہاں اس نے بیس سال کے عرصے سے عرب ملکوں میں بکھرے ہوئے لاتعداد فلسطینی عوام میں ایک اعلیٰ المقصد کے حصول کی نئی اور ولولہ انگیز روح بھی پھونک دی۔ ہر قیمت پر مسلح جدوجہد جاری رکھنے کا عزم۔

الفتح نے انقلاب کے پہلے مرحلے میں صرف مسلح جدوجہد کے انقلابی اصول کو سامنے رکھا ہے۔ ابھی سماج کی ہیئت کے بارے میں کوئی سرکاری تصور پیش نہیں کیا گیا۔ کیونکہ یہ سوال ابھی اتنی اہمیت نہیں رکھتا جتنا امریکی سامراج اور اس کے توسیع پسند حواریوں سے فوری طور پر آزادی حاصل کرنے کا سوال ہے آزادی حاصل کرنے کے بعد یہ مسئلہ زیر غور آئے گا فلسطینیوں

عرب گوریلوں نے الکرامہ کی جنگ میں اسرائیل کا غرور خاک میں ملا دیا

کے سامنے تو بھی ایک ہی سوال زیادہ اہم ہے۔ مسلح جد وجہد کے ذریعہ انقلاب اور آزادی کا حصول۔

فلسطینیوں کی انقلابی تنظیم، الفتح نے مسلح جد وجہد کے راستے پر چلتے ہوئے عرب دنیا کو فراموش نہیں کیا۔ کیونکہ فلسطینی جد وجہد میں عرب عوام کا شاندار اور تاریخی کردار بڑی اہمیت کا حامل ہے عرب ممالک اپنے مخصوص انداز طریقہ کار اور ملٹری کارروائیوں سے اسرائیل پر فوقیت حاصل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اسرائیل فوجی کارروائیوں کی اس تکنیک سے بخوبی آگاہ ہے۔ اور وہ ان کارروائیوں کو ناکام بنانے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ چنانچہ الفتح نے اس طریق کار سے ہٹ کر مسلح اور عوامی جد وجہد کا راستہ اختیار کیا۔ اسی ذریعہ سے اسرائیل کو بدترین شکست دی جا سکتی ہے۔ لیکن فلسطینی تمام عرب محاذوں کی امداد اور حمایت کے بغیر یہ کام تنہا انجام نہیں دے سکتے۔ الفتح سرکاری مشینری پہ اعتماد نہیں کرتا وہ عوام پر اعتماد کرتا ہے اور عوام سے کہتا ہے کہ وہ حکومت پر بھروسہ کرنے کی بجائے عوام پر اعتماد کریں اور انہیں متحرک کریں۔

جون ۱۹۶۷ء میں صیہونیوں اور اسرائیلیوں نے ۲۰ سال کی مدت میں تیسری بار امریکی سامراج کی شہہ پہ جارحیت کا ارتکاب کیا۔ اس بار وہ اپنے منصوبے کو کامیاب بنانے اور پورے فلسطین سینائی گولان کی پہاڑیوں اور سعودی عرب کے دو جزائر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس ناپاک منصوبے کی تکمیل میں امریکی سامراج نے اپنا گھناؤنا کردار انجام دیا۔ اس نے ایسی ہر قرارداد کے خلاف ویٹو کا حق استعمال کیا جس میں اسرائیلیوں سے عرب کے مقبوضہ علاقے خالی کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ اور ۲۲۔ نومبر ۱۹۶۷ء کو ایسی قرارداد منظور کروائی گئی جس میں فلسطین پر اسرائیل کا استحقاق تسلیم کیا گیا۔ اور غیر جانبدارانہ فیصلہ کرنے کی بجائے اسرائیل کے سیاسی وجود اور اس کی سرحدوں کے تحفظ کی ضمانت مانگی گئی۔ بدقسمتی سے تمام عرب ممالک نے اس بیمار فارمولے کو تسلیم کر لیا۔ جسے امریکی سامراج کے سرکاری ایجنٹ راجرز کی جانب سے پیش کیا گیا تھا سلامتی کونسل کا ۲۴۲ فارمولا۔ اور اس سلسلے میں تمام غیر تسلی بخش تجاویز، بانرمیم الفتح کیلئے ناقابل قبول تھیں فلسطینی عوام نے انہیں قبول نہیں کیا۔ کیونکہ ایسے فارمولوں میں انہیں یکسر نظر انداز کرنے کی جابرانہ اور ظالمانہ پالیسی پر عمل کیا گیا۔ فلسطین کے اصل مسئلے پر پردہ ڈالا گیا۔ فلسطینیوں کی جد وجہد آزادی کے حق کو پامال کیا۔ اور انہیں اپنے ملک میں رہنے اور اپنی مرضی کے مطابق باعزت زندگی گذارنے کے حقوق سے محروم کیا گیا۔

جون ۱۹۶۷ء میں اسرائیلی جارحیت ۱۹۴۹ء کی اسرائیلی ریاست کے قیام کے منصوبے کی بدترین شکل تھی۔ چنانچہ الفتح نے ۱۹۶۷ء کی جارحیت کو ۱۹۴۶ء کے منصوبے کی ایک سلسلہ وار کڑی قرار دیا اور ایسی کسی تجویز کو تسلیم کرنے سے صریحاً انکار کیا جس میں پچھلی جارحیت کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف اسرائیل کی تازہ ترین جارحیت پر روشنی ڈالی گئی۔ جون ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد سے فلسطینیوں کی مسلح جد وجہد کی رفتار بہت تیز ثابت ہوئی ہے مارچ ۱۹۶۸ء میں حریت پسندوں نے الکرامہ میں پندرہ ہزار اسرائیلی فوج کو شرمناک شکست دے کر اس کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ الکرامہ کے معرکے سے حریت پسندوں کے حوصلے بڑھ گئے اور ان کی تنظیم پہلے سے زیادہ مضبوط اور مؤثر ہو گئی۔ ۱۹۶۹ء سے انہوں نے متعدد بار اور متعدد علاقوں میں اسرائیلی جارحیت پسندوں پر کاری ضربیں لگا کر ایک کے بعد دوسری کامیابی حاصل کی حریت پسندوں کی فوجی کارروائیاں اسرائیل اور عرب مقبوضہ علاقوں میں پھیلتی جا رہی ہیں اب وہ گولان کی پہاڑیوں سے لے کر خلیج عقبہ اور وادی اردن سے لے کر تل ابیب تک سرگرم عمل ہیں، غزہ میں ان کی شجاعت اور دلیری، حملہ آوروں کے خلاف عوامی جد وجہد کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ ہزاروں شہیدوں نے اپنے خون سے وطن کی مٹی کو سرخ فام بنا دیا۔ انہوں نے وطن کی آزادی اور خود مختاری کے راستے پر اپنے لہو سے جو چراغ جلائے ہیں، وہ کبھی باد مخالف سے نہیں بجھیں گے اور ان کی روشنی میں آنے والی نسلیں اپنی منزل کی طرف پیشقدمی کرتی رہیں گی۔

اگر عوام کی اکثریت کی حمایت حاصل رہے تو چھاپہ مار جنگ بے حد موثر اور مفید ثابت ہوتی ہے فلسطینی حریت پسند جنگ کے اسی طریق کار پر اعتماد کرتے ہیں۔ وہ دشمن کو متواتر مصروف رکھنے اور رات کی تاریکی میں اچانک ان پر حملہ کرنے کی تکنیک سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کے لئے وہ فوجی دستوں اور کیمپوں پر غیر متوقع حملے کرتے ہیں، فوجی گاڑیوں کو دھماکہ سے اڑاتے ہیں۔ اہم اقتصادی تنصیبات کو تباہ کرتے ہیں جس میں ہوائی اڈے، ریلوے اور پل شامل ہیں۔

امریکی سامراج محض اسرائیل ہی کو جارحانہ اور توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل کے لئے نہیں ابھار تا بلکہ وہ عربوں کو عربوں سے لڑانے کی پالیسی پر بھی کاربند ہے وہ عرب ممالک کے رجعت پسند حکمران ٹولے کو بھی ہدایت دیتا رہا ہے کہ وہ فلسطینی حریت پسندوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کریں ستمبر ۱۹۷۰ء کے دوران اردن میں فلسطینی حریت پسندوں کو کچلنے کے لئے وسیع پیمانے پر کارروائی کی گئی جس میں ۷۰ ہزار اردنی فوج ۵۰۰ ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں استعمال کی گئیں۔ اس وسیع اور خونی کارروائی کا مقصد ایک ہی ہلّے میں حریت پسندوں کا خاتمہ کرنا تھا۔ فلسطینی مہاجرین کے کیمپوں پر بھی حملہ کیا گیا۔ اور تقریباً ۲۰ ہزار افراد شہید کر دیئے گئے جنوری ۱۹۷۱ء میں بھی حریت پسندوں کا صفایا کرنے کے لئے اردنی فوج نے اس قسم کی فوجی کارروائی کی اور حریت پسندوں کے فوجی ٹھکانوں جرش، اجلوان اور اگوار پر اسرائیلی فوج کے تعاون سے بڑے بڑے حملے کئے گئے۔

۱۹۷۰ء میں امریکی سامراج اور اسرائیلی توسیع پسندوں نے حریت پسندوں سے ہتھیار رکھوانے کے لئے دریائے اردن کے کنارے ایک بچھو فلسطینی ریاست کے قیام کا منصوبہ تیار کیا تھا۔ تاکہ فلسطینی عوام کی مسلح جد وجہد کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو ٹھنڈا کیا جا سکے لیکن امریکی سامراج عرب انقلابیوں کی زبردست مخالفت کی وجہ سے اپنی اسکیم میں ناکام ہو گیا۔

فلسطینی انقلاب کا رشتہ دنیا بھر کے ان انقلابی

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں

ہم محل کی تمنا نہیں کرتے، ہم تو اپنے بنیادی مسائل کا حل چاہتے ہیں

بس نمبر ۱۰

رفیق چوہدری

سبیل والی مسجد سے لالوکھیت، ناظم آباد اور ہاؤسنگ سوسائٹی جانے کے لئے حسب معمول لوگوں کی بھیڑ لگی ہے، بس اسٹاپ کھسکتے کھسکتے قائد اعظم کے مزار کے سامنے پہنچ گیا ہے لوگ اپنے اپنے روٹ کی بسوں کو دور سے دیکھتے ہی دھکم پیل کرتے ان کی جانب لپکتے ہیں۔ ان میں سوٹ بوٹ پہنے استری شدہ حضرات سے لے کر میلے کچیلے کپڑے زیب تن کئے نوکر پیشہ، مزدور، اور خوانچہ فروش سبھی شامل ہیں۔ بس کی رفتار آہستہ ہوتے ہی سوار ہونے کی کشمکش میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ بوڑھے، بچے، جوان، عورتیں اور مرد سوٹ بوٹ میں ملبوس، سفید پوش، سادہ اور میلے کپڑوں والے سبھی آپس میں گتھم گتھا ایک دوسرے کو پیچھے دھکیلتے، کہنیاں مارتے بس کے اندر جانے کی کوشش میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ بس کے زنانہ مردانہ دروازوں کے باہر شہد کی مکھیوں کے چھتوں کی مانند انسانی سروں کے جھتے لٹک جاتے ہیں، پھر ایک غیر فطری کرخت آواز آتی ہے۔" استاد جانے دو۔۔۔ بس" ڈرائیور ایک جھٹکے کے ساتھ گیئر بدلتا ہے۔ بس میں ٹھنسے اور لٹکے ہوئے لوگ بری طرح ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراتے ہیں۔ تیز نظروں کا تبادلہ ہوتا ہے، برا بھلا کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات گالی گلوچ اور ہاتھا پائی کی بھی نوبت آجاتی ہے، بس اگلے اسٹاپ کی جانب سرکتی ہے یا ایک دم ہوا ہو جاتی ہے، سنا ہے کراچی کی بسوں میں درمیان والا یعنی اعتدالی گیئر ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کو مجبوراً یا تو گھونگھوں کے انداز میں آہستہ خرام چلنا پڑتا ہے یا پھر ہوا سے باتیں کرلو، قسم کی طوفانی رفتار سے اڑتے ہوئے جانا پڑتا ہے۔ پھر اچانک کرخت آواز اس سارے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے "پیسے نکالو، پیسے نکالو، باہر لٹکے ہوئے لوگ اپنے اپنے پیسے نکال کر ہاتھ میں رکھیں۔"

آج دسمبر کی ۲۳ ہے اور جمعرات کا روز ہے میں حسب معمول نک سک سے درست ہو کر گھر سے آٹھ بجے نکل کر لالوکھیت کی مارکیٹ کے سامنے والے پٹرول پمپ والے بس اسٹاپ پر آ کر کھڑا ہو جاتا ہوں، فردوس سینما کی طرف سے ۵ ای دندناتی ہوئی آتی دکھائی دیتی ہے اس کے پیچھے ۷ ایچ بھی اسی انداز میں اڑتی چلی آرہی ہے، لوگ دروازوں کے ہنڈل پکڑے لٹکے ہیں، میں اپنے کوٹ کے تینوں بٹن بند کر لیتا ہوں، بس کے رکتے رکتے دو تین آدمی چھلانگ لگا کر اتر جاتے ہیں، میرے سمیت دس بارہ آدمی دھاوا بول دیتے ہیں اور کسی طرح لٹکنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، بس صحیح طرح رکنے بھی نہیں پاتی کہ کھٹ کھٹ کی تال پر "جانے دو۔۔۔ بس استاد" کی آواز ابھرتی ہے، بس رفتار پکڑتی ہے، تین چار آدمی سوار ہونے کی کوشش میں ادھر ادھر ہاتھ مارتے کچھ دور تک گھسٹتے چلے جاتے ہیں، بس نکل جاتی ہے۔ وہ حسرت بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہیں۔ (ہم نے بھی کئی بار دیکھا ہے) اور کھسیانے سے ہو کر اسٹاپ پر کھڑے ہوئے لوگوں میں گھل مل جاتے ہیں۔ مجھے اس بس کے ساتھ لٹکے گورومندر تک جانا ہے، وہاں سے مجھے ہاؤسنگ سوسائٹی کے لئے بس پکڑنا ہے، دراصل جانا تو مجھے شہید ملت روڈ بہادر آباد والے چوک کے پاس ہوتا ہے اور وہاں کے لئے گورومندر سے ہو کر دستگیر سوسائٹی اور بہادر آباد جانے والی ۱۱ اور ۱۱ اے کی بسیں ملتی ہیں مگر اس کا کیا کیا جائے کہ دونوں روٹوں کی بسوں میں سے کوئی بھی بس تین گھنٹے سے پہلے نظر نہیں آتی، یہ روٹ سرکاری بسوں کے لئے مخصوص ہیں، کچھ عرصہ پہلے سویڈن سے منگائی ہوئی بسوں کو اس روٹ پر چلتے ہوئے دیکھ کر لوگوں کی باچھیں کھل اٹھیں تھیں مگر جلد ہی ساری خوش فہمیاں دور ہو گئیں۔ اور وہ لوگ جنہوں نے سرکاری بسوں سے آسائش کی توقعات وابستہ کر کے قصیدے گائے تھے، بڑی جلدی ان کے مرثیے پڑھتے ہوئے پائے گئے جھوٹ بیچ میں خاک ڈالئے۔ تو میں عرض کر رہا تھا۔ کہ مجھے ۵ ای میں لٹکے ہوئے گورومندر تک جانا ہے۔ بسوں کی ریس لگی ہے ایک دو اور بسیں بھی اس ریس میں شامل ہو گئی ہیں گورومندر سے یہ بسیں اور مضافات سے آنے والی دوسری بسیں ایک بڑی ریس میں شامل ہو جائیں گی۔ وہ ریس جو ہر لمحہ جاری و ساری ہے اور انسانی زندگی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ گورومندر کا چوک آگیا ہے کنڈکٹر آواز ابھرتی ہے "چلو سبیل والا مسجد چلو گورومندر والا جلدی کرو، جلدی کرو" کنڈکٹر بس کے رکنے سے پہلے ہی کود زنانہ دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا ہے "چلو مائی لوگ، چلو زنانہ لوگ پیسے نکالو، بابو لوگ تم بھی پیسے نکالو"۔ جن لوگوں کو کنڈکٹر چلتی بس میں ٹکٹ نہیں دے سکا تھا۔ ان سے ٹکٹ کے پیسے چھٹ پٹ وصول کئے بس کو تھپتھپایا اور "جانے دو۔۔۔ بس استاد" کا نعرہ لگا کر زنانہ دروازے کے ہینڈل سے لٹک کر یہ جا وہ جا ہوا ہو گیا میں صدر جانے والی سڑک عبور کر صدر سے آنے والی سڑک پر آ گیا ہوں، حسب معمول مقررہ بس اسٹاپ پر ایک بھی آدمی نہیں ہے دور تک پٹرول پمپ کے سامنے جس کے مقابل سے مزار قائد کی حد شروع ہوتی ہے۔ اچھی خاصی بھیڑ لگی ہے۔ بھلا میں اس بھیڑ سے الگ کیسے رہ سکتا ہوں۔ میں اس بھیڑ سے الگ رہ کر منزل تک کیسے پہنچ سکتا ہوں، یہاں بہت سے شناسا چہرے ہیں۔ جن سے روزانہ اس وقت اس جگہ آمنا سامنا ہوتا ہے، دیرینہ رفاقت کے باوجود کبھی بات چیت کی نوبت نہیں آئی۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ روزانہ ایک ہی جگہ اکٹھے کھڑے رہتے ہوئے بھی لوگ ایک دوسرے سے الگ تھلگ اپنی منزل پر پہنچنے کی فکر میں پیچ و تاب کھاتے رہتے ہیں، جب کسی روٹ کی بس آتی ہے تو اس ہجوم میں ایک کلبلاہٹ سی پیدا ہو جاتی ہے۔ دور سے ۱۰ نمبر کی بس آتی دکھائی دیتی ہے میں بھی آج کل اسی بس سے گورومندر تک آتا جاتا ہوں یہ بس سوسائٹی آفس سے ہوتی ہوئی مجھے طارق روڈ کے پہلے اسٹاپ

پر چھوڑ دیتی ہے، جہاں سے میرا پیدل کا راستہ پانچ منٹ کا ہے۔ تیز نظروں والے دور ہی سے اسے پہچان لیتے ہیں۔ اور اس میں ان کا کوئی کمال بھی نہیں ہے کراچی میں بہت سے روٹوں پر آپ کو چھٹیچر بسیں رنگتی کھڑکھڑاتی نظر آئیں گی۔ مگر ۱۰ نمبر کی بسوں کا آپ کو شاید ہی کہیں جواب مل سکے۔ علی ہذا القیاس آپ کو کہیں پرانا سا ٹوٹا پھوٹا ڈبہ ہچکولے کھاتا نظر آجائے تو آپ بلا توقف بھاگ کر اس کا ہینڈل پکڑ لیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ کبھی نہ کبھی آپ کو ہاؤسنگ سوسائٹی پہنچا ہی دے گا۔ مگر صاحب یہ ہینڈل پکڑنا بھی کوئی آسان بات نہیں ہے یہ بھی جوئے شیر لانے کے مترادف ہے اگر آپ میں ہمت ہے تو بھی بہت سے ہمت والوں کی کہنیوں کا سامنا کرتے ہوئے بڑے چھوٹے کے آداب کو پس پشت ڈالتے ہوئے اور ساری اخلاقی اقدار کو روند کر ہی بس کے ہینڈل تک رسائی ہو سکتی ہے، بزرگوں کا ادب کرنے والے اور اخلاقی اقدار کا دامن تھامنے والے بہت سے لوگ تلخ تجربوں کا شکار ہو کر اب کچھ حالات سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اچھے خاصے لوگ اک نفسا نفسی کے عالم میں انتہائی مضحکہ خیز انداز میں بس کا پیچھا کرتے نظر آتے ہیں۔ خیر صاحب صدر کی جانب سے ٹھنسی ٹھنسائی ۱۰ نمبر آئی۔ ایک لمبی چیں ریں کے ساتھ رُک گئی کچھ قسمت کے دھنی ادھر ادھر لٹکنے میں کامیاب ہو گئے اور بس دھچکے کے ساتھ نیو ٹاؤن اسٹاپ کی طرف کھسکنے لگی، ایک بزرگ جو کسی نہ کسی طرح ہینڈل پکڑنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ایک آدمی نے تھوڑا اندر کی جانب کھسک کر انہیں بھی اندر کھینچ لیا وہ بزرگ ہانپتے ہوئے کہنے لگے "بھئی بڈھوں کا کچھ تو خیال کرو" ایک آواز آئی "کس کس بڈھے کا خیال رکھا جائے، بڈھوں کا خیال کرتے کرتے دو بسیں چھوڑ چکا ہوں۔ اپنی ڈیوٹی پر بھی پہنچنا ہے روزگار کا معاملہ ہے"۔ "یہ تو ٹھیک ہے بیٹا تم لوگ بھی مجبور ہو ہم بھی مجبور ہیں ہم بڈھے بھی کوئی تفریح کے لئے تو نہیں نکلتے ہیں"۔ ان کے جواب میں بس کے درمیان سے ایک آواز ابھری "کوئی بات نہیں انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا بھٹو آگیا ہے"۔ اب ہینڈل سے لٹکے ہوئے ایک صاحب بولے "بس جی پیٹ بھرنے کے سب دھندے ہیں۔ ایک گیا اور دوسرا آیا ہماری پریشانیاں یونہی رہیں گی۔ جو کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔ وہ سب کچھ بھول جاتا ہے ہم نے بہت سی ہیں ایسی باتیں"۔ اس کا جواب اسے پاس ہی سے مل گیا ایک میلے کپڑوں والا بول رہا تھا۔ "ایسا مت کہو بھٹو ایسا نہیں وہ جو کہے گا کر کے دکھائے گا۔ وہ سب چار سو بیس کرنے والوں کو جانتا ہے، دیکھنا وہ کیسے انہیں پکڑتا ہے مزا آجائے گا۔ سالے اب بچ کے نہیں جا سکتے"۔ پھر ایک سفید پوش بولے "ٹھیک ہے آپ جو کہتے ہیں بھٹو اپنے پیشرو حکمرانوں کی طرح بے ایمان اور بد دیانت نہیں ہے۔ وہ عوام کے ساتھ رہا ہے اسے عوام کے دکھ درد کا احساس ہے مگر اس کے پاس بھی کوئی الہ دین کا چراغ تو نہیں ہے جو وہ ایک دن میں ہی سب تکلیفیں دور کر دے"۔ ایک اور آواز ابھری "ہاں بھائی الہ دین کا چراغ ملے نہ ملے بھٹو کو اب حکومت تو مل ہی گئی ہے نا اب دیکھ لیں گے غریبوں کو کون سے محل مل جاتے ہیں"۔ وہی سفید پوش پھر بولے "محل کی بات تو آپ جانے دیں ہم اس کی تمنا بھی نہیں کرتے ہم تو اپنے بنیادی مسائل کا حل چاہتے ہیں، غریب عوام سماجی انصاف چاہتے ہیں ایسا سماج چاہتے ہیں جس میں ان کا اپنا مقام ہو جہاں وہ اپنی محنت کا پھل آپ کھا سکیں روزمرہ کی پریشانیوں سے چھٹکارا پا سکیں، اب آپ دور نہ جائیں یہ چھوٹی سی مثال ہی حاضر ہے یہ کھٹارہ سی بس جس میں آپ بھیڑ بکریوں کی طرح ٹھنسے ہوئے ہیں۔ کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ اس کے مالک نے بھی کبھی اس میں سفر کیا ہو گا اُسے تو ہم سے تھوڑی ہوئی رقم سمیٹنے سے مطلب ہے ہماری تکلیف کا کوئی احساس نہیں"۔ "ہاں جی یہ تو ٹھیک ہے وہ خود تو بنگلے میں رہتا ہو گا۔ کار میں جاتا ہو گا۔ ائیر کنڈیشنڈ دفتر میں بیٹھتا ہو گا اور ٹیلی فون پر بات کرتا ہو گا۔ اُسے کیا پڑی ہے"۔ ایک اور صاحب بولے "یہی تو بات ہے چالاک و عیار لوگ لوٹ کھسوٹ کے بل بوتے پر پیا اتر بن جاتے ہیں۔ اور من مانی کرتے ہیں۔ لوگوں کی گاڑھے پسینے کی کمائی کو ہتھیانے کے لئے نت نئے منصوبے بناتے رہتے ہیں۔ رشوت، چور بازاری اور انسان دشمنی کے سینکڑوں حربے ہیں جو یہ لوگ دن رات بے بس انسانوں پر آزماتے رہتے ہیں"۔

بس سوسائٹی آفس سے گذر چکی ہے بہت سے لوگ وہاں اُتر گئے ہیں تقریباً اتنے ہی لوگ اور آگئے ہیں۔ بس اپنی مخصوص رفتار کے ساتھ گھر گھیں گھر گھیں کرتی جا رہی ہے کبھی کبھی موڑ کاٹتے ہوئے یا گیئر تبدیل کرتے ہوئے بڑی ہولناک قسم کی گڑگڑاہٹ کی آواز آتی ہے کچھ لوگ اللہ ہو یا اللہ مدد کا نعرہ لگاتے ہیں بحث کچھ دیر کے لئے رُک جاتی ہے رفتار معمول پر آتے ہی بات چیت پھر شروع ہو جاتی ہے، ایک صاحب کہہ رہے ہیں "اب دیکھنا یہ ہے کہ بھٹو اور اس کی پارٹی ہمارے لئے کیا کرتے ہیں۔ ماضی میں تو ہم نے دھوکا کھایا ہی ہے، چوروں اور لیٹروں کے گروہ کے گروہ ہماری بوٹیاں نوچتے رہے ہیں۔ دیکھتے ہیں بھٹو ان سے کیسے نمٹتا ہے اگر بھٹو نے ادھر دھیان نہ دیا تو پھر ہمیں اس سے بھی کوئی امید نہیں رکھنی چاہیئے"۔ اب اس بات چیت میں ایک نئے صاحب شامل ہو گئے جو غالباً سوسائٹی آفس کے اسٹاپ سے بس کے اندر تک آجانے میں کامیاب ہو گئے تھے "میں تو سمجھتا ہوں ہمیں بھٹو صاحب سے پورا پورا تعاون کرنا چاہیئے۔ ان سے ہر طرح کی بہتری کی امید رکھنی چاہیئے اور ان پر اعتماد کرنا چاہیئے۔ دیکھئے انہوں نے اقتدار سنبھالنے کے ساتھ ہی کیسے کیسے اقدامات کئے ہیں، ہماری غیرت کا سودا کرنے والوں کو نکال باہر کیا ملک کی دولت کو چوری چھپے باہر کے بنکوں میں جمع کرانے والوں کو الٹی میٹم دے دیا کہ وہ دولت جلد از جلد ملک واپس لے آئیں بائیس لیٹرے خاندانوں کے پاسپورٹ منسوخ کر دیئے، بے گناہ اور جھوٹے الزاموں میں مقید لوگوں کے لئے جیلوں کے دروازے کھول دیئے۔ طلباء مزدوروں اور کسانوں پر قائم کئے گئے تمام مقدمات واپس لے لئے مزدوروں کی چھانٹی اور کسانوں کی بیدخلی کے متعلق صنعت کاروں اور جاگیرداروں، زمینداروں کو بڑے پُرزور الفاظ میں تنبیہ کی ہے اور عملاً اس کو روک دیا ہے"۔ اب کے ایک صاحب اگلے حصے سے بولے "ہاں صاحب روک دیا ہے تنبیہ فرمائی ہے اب اس پر عمل بھی ہو گا تو جانیں گے۔ آپ کو پتہ ہے بھٹو صاحب کی پارٹی میں کتنے بڑے بڑے جاگیردار بیٹھے ہیں اور ان کا اپنے کاشت کاروں سے سلوک کیسا ہے"۔ ایک خوش پوش نوجوان بحث میں حصہ لیتے ہوئے جواب دیا "یہ ٹھیک ہے کہ پیپلز پارٹی میں بہت سے جاگیردار اور وڈیرے ہیں۔ اور پارٹی میں ان کی حیثیت بھی مسلمہ ہے مگر یہ سب کچھ پارٹی کے منشور سے متفق ہو کر ہی اس میں آئے ہیں اور خود بھٹو صاحب بہت بڑی جاگیر کے مالک ہیں اور آپ کو یاد ہو گا بھٹو صاحب بارہا اعلان کر چکے ہیں کہ میں اپنی زمینیں کسانوں میں تقسیم کر دوں گا"۔ اب ایک ادھیڑ عمر کے شخص نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "مجھے یاد ہے اور انتخابات سے بہت پہلے کی بات ہے غالباً بھٹو صاحب جیل میں تھے۔ گوجرانوالہ میں ایک بڑے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے بیگم نصرت بھٹو نے کہا تھا "کہ تمام وڈیروں سے زمینیں چھین کر کسانوں میں تقسیم کر دی جائیں گی"۔ میں ان دنوں میں گوجرانوالہ ہی میں تھا۔ اس موقع پر ایک شخص نے اُٹھ کر بیگم نصرت بھٹو سے سوال کیا تھا "کیا آپ بھی اپنی زمینیں کسانوں میں تقسیم کر دیں گی"۔ تو اس وقت بیگم بھٹو نے بڑے جوشیلے انداز میں ہاتھ لہرا کر جواب دیا تھا "تو کیا میں بکواس کر رہی ہوں"، اتنا کہہ کر وہ صاحب چپ ہو گئے۔ پھر ایک اور صاحب بولے "اور بعد کے حالات نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ لوگ جھوٹ نہیں کہتے یہ جو کہتے ہیں۔ اس پر عمل کرنا بھی جانتے ہیں، بہرحال اتنی ساری برائیوں کو ختم کرنے کے لئے بھی تو وقت چاہیئے۔ میرا دل کہتا ہے یہ لوگوں کو مایوس نہیں کریں گے"۔ ایک بزرگ کہنے لگے "تم صحیح کہتے ہو یہ باتیں تو دل کو لگتی ہیں۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ آخر اتنی ساری برائیوں کو ایک دم کیسے ختم کیا جا سکتا ہے جبکہ تئیس چوبیس برس تک ان کو پال پوس کر جوان کیا جاتا رہا۔ اب وہ خوفناک بلاؤں اور درندوں کی شکل اختیار کر چکی ہیں۔ اور جو

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں

کراچی

ہم جسمانی، مالی اور دلی طور پر بھٹو کے ساتھ ہیں

الفتح رپورٹ

کراچی نرسری مین ایسوسی ایشن کی جنرل باڈی کا ایک ہنگامی اجلاس جناب محمد شفیع کی صدارت میں ۲۹ دسمبر کو منعقد ہوا۔ ایسوسی ایشن کے جنرل سیکرٹری جناب رفیق چوہدری نے موجودہ نمائندہ حکومت کا خیر مقدم اور اسے تعاون کا یقین دلاتے ہوئے کہا کہ گذشتہ ڈیڑھ دو برس سے وطن عزیز جن المناک سانحات سے دوچار ہوتا رہا۔ ان کی وجہ سے ہمارے تاریخی کردار ہماری عزت اور قومی وقار کو بہت بڑا دھکا لگا۔ بھاری جانی و مالی نقصان کے علاوہ اپنے ایک علاقے سے خواہ وقتی طور پر ہی یا کسی بڑی سازش کے تحت جس ذلت کے ساتھ محروم ہونا پڑا۔ کوئی معمولی حادثہ نہیں، یقیناً اس حادثے سے پاکستان کا ہر فرد بری طرح متاثر ہوا ہے جس کے لئے ہم دلی رنج کا اظہار کرتے ہوئے یہ سمجھتے ہیں کہ قوموں کی زندگی میں ایسے حادثات حرف آخر نہیں ہوا کرتے ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم بہت جلد اپنا کھویا ہوا مقام اور وقار حاصل کرلیں گے۔

موجودہ سیاسی تبدیلی کا ذکر کرتے ہوئے رفیق چوہدری نے کہا کہ ایک ایسے وقت میں جب کہ ہم غم و اندوہ کے تاریک بادلوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ایک روشنی بھی اندھیروں کا سینہ چاک کرتی ہوئی نظر آتی ہے جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار سنبھالتے ہی جن اصلاحات کا اعلان کیا اور جو اقدامات کئے۔ اس سے ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ صدر بھٹو یقیناً عوام سے کئے گئے وعدوں پر پورا اتریں گے ہر نوع کے عوامی مسائل حل کرنے کی جلد سے جلد کوشش کریں گے انہوں نے صدر بھٹو کو تعاون کا یقین دلاتے ہوئے کہا اب جب کہ عوامی راج کا سورج طلوع ہو چکا ہے۔ ہمیں حکومت سے پورا تعاون کرنا ہے ہمیں ڈاکوؤں، چوروں اور دلالوں سے وطن عزیز کو نجات دلا کر ایک خوشحال معاشرے کو وجود میں لانے کے لئے حکومت کی پوری پوری مدد کرنی ہے۔ ہم صدر بھٹو کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم جسمانی مالی اور دلی طور پر ان کے ساتھ ہیں اور ہماری ہر طرح کی خدمات وطن کے لئے وقف ہیں۔ ماضی میں جن لوگوں کو دفتری چکروں، قانونی موشگافیوں، سرخ فیتوں، محکمانہ دھاندلیوں، جابرانہ نظام اور رشوت کے ذریعے ان کے جائز حقوق سے محروم رکھا جاتا تھا۔ اب ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ پسے ہوئے محروم انصاف لوگوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ کیا جائے گا۔ ان کے بنیادی مسائل حل کئے جائیں گے۔ اور معاشرے کو رستے ہوئے ناسوروں سے پاک کر کے ایک صحت مند اور مضبوط پاکستانی کی تشکیل کی جائے گی۔ جس کا ہر فرد مثالی کردار کا حامل ہوگا۔ اور وطن عزیز کی بقا سربلندی اور شان کو دوبالا کرنے کے لئے دن رات کام کریں گے۔

جناب رفیق چوہدری نے کراچی نرسری مین ایسوسی ایشن کے مسائل کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ہماری تمام کوششیں فن اور تجربہ وطن کے لئے وقف ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی امید کرتے ہیں کہ ماضی میں جس طرح ہمارے ساتھ ناانصافیاں اور زیادتیاں ہوتی رہی ہیں اور جس طرح نظرانداز کیا جاتا رہا ہے اب ان زیادتیوں اور ناانصافیوں کو دھرایا نہیں جائے گا ہم جو قیام پاکستان سے لے کر اب تک کراچی کے ریگزاروں کو چمن اور گلستانوں میں بدلتے آئے ہیں خود اپنے لئے کوئی چمن کوئی گلستان نہ بنا سکے۔ استحصالی نظام کی بدولت آج بھی ہماری قسمت میں ریگزاروں کی گرد اور ببول کے کانٹے ہیں چوبیس سال سے ہم دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں ایک خاص گروہ کے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہماری مستقل آبادکاری نہیں کی گئی، ہماری آواز کو ہمیشہ دبا دیا گیا۔ کتنی ستم ظریفی ہے کہ کراچی کی زیب و زینت بڑھانے والوں کو ہمیشہ ان کے حقوق سے محروم رکھا گیا۔ جبکہ پاکستان کے تمام علاقوں اور شہروں میں بلدیاتی اداروں نے نرسری والوں کو طویل مدت کے پٹے کی شرائط پر زمینیں دی ہیں، کراچی میں بلدیاتی اداروں اور محکمہ باغات کے ناخداؤں کی سنگدلانہ بے توجہی کی وجہ سے نرسری والے ہائے خالی پلاٹوں میں کرائے پر اپنا کاروبار جاری رکھنے پر مجبور ہیں، اور پھر یہ مجبوری یہاں ہی ختم نہیں ہوتی۔ پلاٹ کے مالکان کرایہ بڑھاتے بنگلہ بنانے یا پلاٹ فروخت کرنے کے بہانے نرسری والوں کو آئے دن تنگ کرتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کئی نرسریاں کراچی کے ایک سرے سے دوسرے سرے پہنچ چکی ہیں، یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ آج بھی بہت سے مالکان پلاٹ نرسری والوں سے پلاٹ خالی کرانے کے لئے اپنے مخصوص حربے استعمال کر رہے ہیں۔

آخر میں انہوں نے گورنر سندھ جناب ممتاز بھٹو سے اپیل کرتے ہوئے کہا کہ بے شک ان کے زیر غور مسائل بڑی اہمیت کے حامل ہیں لیکن ہمارا مسئلہ بھی اپنی جگہ انتہائی اہمیت رکھتا ہے اس لئے ہمیں پوری امید ہے کہ وہ اس پر ضرور غور کریں گے۔ رفیق چوہدری نے کہا کہ جب تک ہماری آبادکاری کے لئے کوئی مناسب قدم نہیں اٹھایا جاتا اس وقت تک ہمیں عبوری طور پر حکومت کو یہ ہدایات جاری کر دینی چاہئیں کہ جہاں جہاں اس وقت نرسریاں ہیں، متبادل انتظام ہونے سے پہلے انہیں وہاں سے نہ ہٹایا جائے اور بلدیاتی ادارے اور محکمہ باغات اپنے ماضی کے رویہ میں تبدیلی کرے اور ہمیں ہمارے حقوق دے۔

کوئٹہ

"مزدوروں نے ہتھیار نہیں ڈالے"

احسان عظیم

نمائندہ الفتح

مزدور رہنما جناب احسان عظیم نے ایک اخباری بیان میں ملک کے عوام خصوصاً مزدوروں کی قومی خدمات اور جذبہ حب الوطنی کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ جب بھارتی توسیع پسندوں نے سوویت ترمیم پسندوں کی حمایت اور سرپرستی میں پاکستان پر

بارحانہ حملہ کیا اور ملک کے ایک بازو پر قبضہ کرلیا تو ایسے کٹھن وقت میں پاکستان کے محنت کش عوام اور مزدوروں نے بے مثال حوصلہ اور عزم کا مظاہرہ کرتے ہوئے آزادی خود مختاری اور قومی وقار کے لئے بیش بہا قربانیاں پیش کیں۔ انہوں نے کارخانوں میں سخت محنت کرکے زیادہ پیداوار دینے کی کوشش کی اور دوسری جانب اپنی مختصر اور قلیل آمدنی کا ایک بڑا حصہ دفاعی فنڈ میں دیا مجاہد فورس، پولیس قومی رضاکار اور شہری دفاع کے رضاکار بنے۔ لیکن حکمران طبقے نے ماضی کی طرح عوام اور ملک دشمنی کا ثبوت دیا۔ سامراج کے اشارے پر مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈلوائے اور مغربی پاکستان میں عوامی امنگوں کے خلاف جنگ بندی کرکے قومی عزت و وقار کو خاک میں ملا دیا۔

انہوں نے مزید کہا کہ مزدوروں نے ہتھیار نہیں ڈالے ہیں ان کی جد وجہد جاری ہے اور جاری رہے گی۔ مسٹر احسان عظیم نے مزدوروں کو اُن کی قومی ذمہ داریوں سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ متحد ہو جائیں منظم اور فعال تنظیم بن کر استحصالی نظام کے خاتمے اور محنت کشوں کی بالادستی کے لئے اپنی جد و جہد تیز کر دیں

میونسپل کمیٹی بھکر کے

محرّروں کی تنخواہ کم

اور ڈیوٹی ڈبل

ملک احمد خان

میونسپل کمیٹی بھکر کے ملازمین ایک عرصہ سے شدید مصائب کا شکار ہیں۔ بلدیہ کے ملازمین میں سب سے مظلوم طبقہ محرّروں کا ہے جو پچھلے کئی سالوں سے اپنے جائز حقوق سے محروم اور بے شمار مسائل سے دوچار ہیں۔

بلدیہ کے یہ ملازمین مدت سے اپنے جائز حقوق کی خاطر جد وجہد کر رہے تھے اور طویل جد وجہد کے بعد انہوں نے ٹھوس بنیادوں پر کام کرنے کے لئے میونسپل ایمپلائز یونین کے نام سے اپنی ایک تنظیم قائم کی، یونین کے قائم ہوتے ہی نوکر شاہی کے چند افسران نے چنگی محرّروں کو ظلم کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ یونین کے ممبران کے اچھے کام کو سراہنے کی بجائے انہیں نااہل اور بد دیانت قرار دینا سپرنٹنڈنٹ چنگی کا توشیوہ بن چکا ہے اگر کوئی ملازم افسران کے اس رویہ پر احتجاج کرتا ہے تو اُسے مختلف الزامات کے تحت چارج شیٹیں دی جاتی ہیں اور جواب طلبیاں کی جاتی ہیں میونسپل کمیٹی کے یہ افسران نہ صرف اپنے ظالمانہ رویہ سے ملازمین کو ناجائز طور پر پریشان کر رہے ہیں۔ بلکہ ان کے جائز حقوق کو بھی دبائے بیٹھے ہیں۔

ملازمین کے مسائل اور مطالبات یہ ہیں۔

۱۔ میونسپل کمیٹی بھکر کو تین سال قبل ٹاؤن کمیٹی سے میونسپل کمیٹی کا درجہ دیا گیا لیکن چونگی محرروں کی تنخواہوں کے اسکیل نہیں بڑھائے گئے انہیں میونسپل گریڈ کے مطابق تنخواہیں نہیں دی گئیں میونسپل ایمپلائز یونین نے مطالبہ کیا ہے کہ چنگی محرروں کی تنخواہوں کے اسکیل میں فوری طور پر اضافہ کیا جائے۔ اور سابقہ بقایا جات بھی ادا کئے جائیں۔

۲۔ محرروں سے آٹھ گھنٹے کی بجائے سولہ گھنٹے ڈیوٹی لی جاتی ہے اور انہیں آٹھ گھنٹے مزید ڈیوٹی دینے کا کوئی معاوضہ ادا نہیں کیا جاتا جبکہ پنجاب کے دوسرے اضلاع کے علاوہ ضلع میانوالی کی بیشتر کمیٹیوں میں بھی عملہ چنگیات سے آٹھ گھنٹے سے زائد ڈیوٹی نہیں لی جاتی، یونین نے مطالبہ کیا ہے کہ ملازمین سے آٹھ گھنٹے سے زائد ڈیوٹی نہ لی جائے اور آٹھ گھنٹے سے زائد وقت کا معاوضہ ادا کیا جائے۔

۳۔ ۱۹۶۴ء میں بلدیہ نے چنگی محرّروں کو وردیاں مہیا کرنے کا اعلان کیا تھا لیکن سات سال گذرنے کے بعد بھی ملازمین کو وردیاں مہیا نہیں کی گئیں اس لئے جلد از جلد وردیاں دی جائیں

۴۔ میونسپل ایمپلائز یونین نے مطالبہ کیا ہے کہ رخصت کے حصول کا طریقہ سہل بنایا جائے تاکہ ملازمین کو رخصت حاصل کرنے میں دقت نہ ہو۔

۵۔ ۱۹۷۰ء میں حکومت پاکستان نے ہر ملازم کو ہر تین سال کے بعد ایک ماہ کی تنخواہ اور پندرہ یوم کی تفریحی رخصت دینے کا اعلان کیا تھا لیکن کمیٹی ہذا نے عملہ چنگیات کے دو تہائی ملازمین کو ابھی تک تفریحی الاؤنس سے محروم رکھا ہوا ہے۔ بقایا عملہ کو فوراً تفریحی الاؤنس اور تفریحی رخصت دی جائے۔

۶۔ تمام چونگیوں پر چپڑاسی رکھے جائیں۔ چونگیوں کی مرمت

باقی صفحہ ۳۳ کالم ۳ میں ملاحظہ فرمائیں

قارئین کہتے ہیں

حضرت مولانا ۔ یہ دو رُخی کیسی ؟

۲۷ دسمبر کے اخبارات میں مولانا احتشام الحق تھانوی نے ایک بیان کے ذریعہ جنگ بندی کے اسباب معلوم کرنے والے تحقیقاتی کمیشن کے دائرہ تحقیقات کو وسیع کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے اپنی طرف سے ۱۹ قابل تحقیق واقعات کی فہرست پیش کی ہے۔ جن میں سے چند بلاشبہ قابل توجہ ہیں اور چند محل نظر ہیں خاص طور پر مشورہ نمبر ۴ جس میں کہا گیا ہے۔ کہ (تحقیقاتی کمیشن یہ بھی معلوم کرے کہ) الیکشن میں ملکی سالمیت اور نظریہ پاکستان کے خلاف جماعتوں کو بھاری اکثریت سے کامیاب بنانے میں بدنام جنرلوں نے کیا کردار ادا کیا ہے ؟

یہ کوئی متنازعہ مسئلہ نہیں کہ الیکشن میں صرف دو جماعتیں بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئی تھیں: ایک عوامی لیگ (جو کالعدم قرار دی جا چکی ہے) اور دوسری پیپلز پارٹی (جو اب برسر اقتدار ہے)

پہلا سوال یہ ہے کہ اگر مولانا تھانوی عوامی لیگ کو پاکستان دشمن جماعت سمجھتے تھے تو اس کے رہنما شیخ مجیب سے گفتگو کے لئے مع اپنے نام نہاد اسلام پسند ٹولے کے بھاگے بھاگے ڈھاکہ جاتے رہے اور کیوں حکومت وقت کو غیر مشروط طور پر اقتدار عوامی لیگ کے سپرد کرنے کے "احکامات" صادر فرماتے رہے (ان بیانات کا انداز تحکمانہ ہی ہوا کرتا تھا) یہی نہیں بلکہ ۲۲ دسمبر کو بھی انہوں نے نئے صدر مملکت جناب بھٹو کو شیخ مجیب کو باعزت رہا کر کے ان سے بات چیت کرنے کا مشورہ کیوں دیا ہے ؟

دوسرا اس سے بھی اہم سوال یہ ہے کہ کیا مولانا صاحب آج بھی پیپلز پارٹی کو ملکی سالمیت اور نظریہ پاکستان کی مخالف جماعت سمجھتے ہیں ؟ ہمارے اس شبہ کو تھانوی صاحب کے ۲۳ تاریخ والے اخباری بیان سے بھی تقویت پہنچتی ہے جس میں انہوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ "ہم نظریاتی اختلاف کے باوجود موجودہ حکومت سے بھرپور تعاون کریں گے"۔ اس بیان میں چونکہ انہوں نے بھٹو حکومت سے اپنے "نظریاتی اختلاف" کی وضاحت نہیں کی لہٰذا ان کے دوسرے بیان کی روشنی میں یہی سمجھا جائے گا کہ پیپلز پارٹی کی "ملکی سالمیت اور نظریہ پاکستان کی مخالفت" کو ہی انہوں نے نظریاتی اختلافات قرار دیا ہے۔

واضح رہے کہ مولانا نے ایک تیر سے دو شکار کھیلتے ہوئے عوام کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ ملک میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہونے والی وطن دشمن جماعتیں اسلام پسندوں سے محض بدنام جنرلوں کی سازش کے باعث الیکشن جیتی ہیں۔

اب مولانا صاحب سے پوچھنا یہ ہے کہ ملکی سالمیت اور نظریہ پاکستان کی مخالفت ایسے اہم اور بنیادی اختلاف کو انہوں نے محض "نظریاتی اختلاف" کس اساس پر قرار دیا ہے ؟ نیز یہ کہ بدنام جنرلوں کی سازش سے بھاری اکثریت کے ساتھ کامیاب ہونے والی ملک دشمن جماعت (پیپلز پارٹی اور اس کے رہنما بھٹو صاحب) کی حکومت کے ساتھ بھرپور تعاون کرنا (خواہ وہ کن حالات میں ہی کیوں نہ ہو) کیا بجائے خود ملک دشمنی اور غداریٔ وطن نہیں ہے ؟

اور اگر "بدنام جنرلوں کی سازش سے بھاری اکثریت سے کامیاب ہونے والی ملکی سالمیت اور نظریہ پاکستان کی مخالف جماعتوں" کا اشارہ عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کے علاوہ کسی اور جماعت کی طرف ہے تو قبلہ مولانا صاحب اس کی بھی وضاحت فرما دیں تاکہ ہم جیسے عام مسلمانوں کا یہ شبہ بھی رفع ہو جائے کہ حضرت جن جماعتوں کو غدار وطن قرار دیتے ہیں ان سے تعاون بھی فرماتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ایک عالم دین تو کیا، ایک عام محب وطن شخص کی حیثیت سے بھی یہ دوغلی پالیسی باعث ننگ ہی نہیں تعلیمات اسلام کے بھی سراسر خلاف ہے۔

(روزنامہ کیفی - حیدرآباد سندھ)

کراچی کا صنعتی علاقہ، آتش فشاں

کراچی کا صنعتی علاقہ آتش فشاں کی مانند سلگ رہا ہے سرمایہ داروں اور کارخانہ داروں نے اس عارضی عوامی حکومت کو ناکام بنانے کا تہیہ کر لیا ہے۔ کئی کئی شفٹوں میں چلنے والی ملیں گھٹ کر ایک یا دو شفٹوں میں سمٹ گئی ہیں، کئی کارخانے بند کر دیئے گئے اور کچھ میں مکمل تالہ بندی کے اقدام پر غور کیا جا رہا ہے۔ مزدور پہلے ہی بڑی تعداد میں برطرف کئے جا چکے ہیں مزید برطرفی اور چھانٹی کا سلسلہ جاری رکھا گیا ہے ان تمام وطن دشمن کارروائیوں کا مقصد محنت کشوں کی ایک بڑی تعداد کو بیروزگار بنا کر موجودہ حکومت اور اس کے سوشلسٹ طرز کی اصلاحات کو ناکام بنانا ہے اس میں شبہے کی گنجائش نہیں ہے کہ سرمایہ دار کارخانہ دار اور ان کے حواری اپنے احتساب سے سخت مضطرب اور پریشان ہیں حکومت کو اس سنگین مسئلے پر فوری توجہ دینی چاہیئے۔

مجھے اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے دلی کوفت کا احساس ہو رہا ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی جس کا ماضی میں عوام سے قریبی رابطہ رہا، حکومت سازی کے لعاقب الوقت اس کا رابطہ کٹ گیا ہے، پیپلز پارٹی کراچی کے بعض موقع پرست رہنما عوام سے قریبی رابطہ قائم رکھنے اور صنعتی علاقہ میں محنت کشوں کے بے چین اور مضطرب عوام کی دادرسی کرنے کی بجائے انہیں پیپلز پارٹی کی مرکزی سیکرٹریٹ میں آنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ وہ ان کی ناجائز برطرفیوں کی موثر روک تھام میں ناکام ثابت ہوئے ہیں۔ غریب اور مظلوم عوام کی موجودہ حکومت سے بڑی امیدیں ہیں۔ اگر ان کی معصوم امیدوں کو لیڈروں کی یہ بھیڑ سہارا نہ دے سکی تو انہیں کم از کم اپنے انجام پر ابھی سے غور کر لینا چاہیئے۔

فتح محمد، جنرل سیکرٹری، پیپلز پارٹی ٹی کراچی

بقیہ: ہنزہ سے چاٹگام تک

کرائی جائے نیز بجلی اور روشنی کا بھی انتظام کیا جائے۔

۷۔ محرروں کو اسٹیشنری کا سامان بلدیہ کی طرف سے مہیا کیا جائے۔ اسٹیشنری کی رقم دینے کا طریق کار ختم کیا جائے۔

۸۔ میونسپل ایمپلائز یونین نے یہ مطالبہ بھی کیا ہے۔ کہ محرروں کو میڈیکل الاؤنس، زچگی الاؤنس اور دوسری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

میونسپل ایمپلائز یونین نے اپنے ان مطالبات کو بذریعہ قرارداد افسران کی خدمت میں پیش کیا۔ ملکی اخبارات بھی متعدد بار حکام کی توجہ اس جانب مبذول کرا چکے ہیں۔ لیکن مقام حیرت ہے کہ افسران نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ بھکر کے شہریوں قومی و صوبائی اسمبلی کے ارکان اور سیاسی، سماجی اور مذہبی رہنماؤں نے ڈپٹی کمشنر میانوالی اور ایڈمنسٹریٹر بلدیہ بھکر سے میونسپل ایمپلائز یونین کے مطالبات کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا ہے تاکہ اس مظلوم طبقہ کی پریشانیاں ختم ہوں۔

بقیہ: بس نمبر ۱۰

روزانہ ہی ہم سے خون اور گوشت کا نذرانہ مانگتی ہیں۔ آخر کب تک؟" ایک نوجوان کھنکارا اور کہنے لگا۔ "بابا فکر نہ کرو نیکی کا فرشتہ ان سب بلاؤں کا خاتمہ کر دے گا۔ فتح حق کی ہے غریب اب کسی فریب میں نہیں آئیں گے بھٹو صاحب سمجھتا ہے وہ سب جانتا ہے بس ہم کو بھرپور طریقہ سے ان کے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے۔" وہ بزرگ پھر کہنے لگے "بیٹا میں نے بہت تحریکیں دیکھیں ہیں، ان میں حصہ بھی لیا ہے میں نے بہت لیڈر دیکھے ہیں، پر قائداعظم کے بعد بدقسمتی سے ہمیں کوئی مخلص اور دیانتدار لیڈر نہ مل سکا۔ وہ لیڈر جو بالغ نظر ہونے کے ساتھ ساتھ قوم کی بہتری کے لئے ان تھک محنت کرنے والا ہو۔ آج ہماری نظریں بھٹو کی طرف اٹھتی ہیں خدا کرے وہ قوم کی توقعات پر پورا اترے۔" بس ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی کنڈکٹر "جیل والی کوٹھی، جیل والی کوٹھی" کی رٹ لگا تا بغیر ٹکٹ والے احباب سے پیسے وصول کر رہا ہے..... "پیسے دے کے جاؤ بغیر پیسے دیئے بھاگنے کی کوشش مت کرو" ایک آدمی نے اُسے ٹوکا۔ "اپنے کام سے مطلب رکھو لے کار باتیں نہ کرو"۔ کنڈکٹر نے فوراً جواب دیا موقع ملا اور با بو کھسکا بس کے بار بار رکنے اور سست رفتاری سے اکتائے ہوئے لوگ بس کی چھت کھٹکھٹاتے طرح طرح کی آوازیں لگا رہے ہیں، ڈرائیور ان کا کوئی نوٹس نہیں لیتا۔ یہاں بہت سے لوگ اُتر گئے ہیں۔ پھر بس ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ آگے کی طرف چھلانگ لگاتی ہے۔ سواریاں بُری طرح ایک دوسرے سے ٹکرا جاتی ہیں، پیسے ٹورنا کنڈکٹر بوکھلا کر بس کے پیچھے بھاگتا ہے ایک زوردار دھپ بس کی باڈی پر رسید کرتا ہے۔ "روک کے اُستاد، اُستاد فوراً بریک لگاتا ہے لوگ ایک بار پھر آپس میں ٹکرا جاتے ہیں۔ ڈرائیور ایک فاتحانہ انداز سے پیچھے کی طرف دیکھتا ہے کنڈکٹر زنانہ دروازے سے اندر آتا ہے اور بس اپنی مخصوص رفتار سے آگے کو سرکتی ہے استاد کی استادی کو بھول کر لوگ پھر آپس میں باتیں کرنے لگ گئے ہیں۔ ایک سادہ لباس ضرور کہہ رہا ہے "ہم نے اپنے حقوق کی خاطر آواز بلند کی، ہم پر لاٹھیاں برسائی گئیں۔ ہم نے جدوجہد کی راہ اختیار کی ہمیں گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ ہماری عورتوں سے ہمارے بچوں سے انتقام لیا گیا ہے بوڑھے ماں باپ کی بے عزتی کی گئی۔ ہمارے ہاتھوں میں زنجیریں اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا دی گئیں، ہمارے گھروں کا سامان گلیوں میں بکھیر دیا گیا... کیوں؟ ہم نے اپنا حق طلب کیا تھا یہ سب اس کی سزا تھی ہم اس ظلم و ستم کو کیسے بھول سکتے ہیں بوڑھے ماں باپ، ہماری عورتیں ہماری بہنیں ہمارے بچے اس درندگی کو کیسے بھول سکتے ہیں"۔

وہ بزرگ جن کی آنکھوں میں تیرتا ہوا پانی صاف نظر آرہا ہے بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہے ہیں۔

"بیٹا ہمیں یہ سب بھول جانا ہوگا۔ ظلم و ستم کے بادل چھٹ رہے ہیں۔ نیا سورج طلوع ہو رہا ہے، ہماری محنت، ہمارا ایمان، ہماری لگن، ہمارا اعتماد رائیگاں نہیں جائے گا۔ ہمارا جذبہ اور ہماری جدوجہد ایک نئے سماج کو جنم دے رہے ہیں۔ جس میں ظلم و جبر نام کی کوئی چیز نہ ہوگی۔ کسی فرد سے انتقام کی کوئی بات نہیں ہے برائیوں کو جنم دینے والے سماج کا خاتمہ ہی ہمارا انتقام ہے"۔ . . . طارق روڈ کا پہلا بس اسٹاپ آ گیا ہے۔ سرسید روڈ سے طارق روڈ کو گھومتے ہی میں چلتی بس سے کود گیا ہوں۔ بس نمبر ۱۰ دھکتی ہوئی کیفے لبرٹی کی طرف جا رہی ہے کالے دھوئیں کے بادل اس کا احاطہ کئے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ چکر لگاتے جا رہے ہیں... یہ میرا وطن ہے۔ اس کے بد دیانت رکھوالوں نے اس کی یہ حالت کر دی ہے۔ اس کا سارا رنگ و روپ اس کا جوبن غاصب لیٹروں نے لوٹ کر اسے اس حالت کو پہنچا دیا ہے۔ اس کے گرد چھائے ہوئے گہرے تاریک بادلوں کو ہٹا کر نئے سورج کی حیات افروز شعاعوں سے اسے منور کرنا ہے۔

بقیہ: سنو آواز ہمی ہے

میں اپنے ہم وطنوں کو سرخرو کیا ہے

صاحب صدر! سنیئے ایاز کی آواز۔ آپ کے کاندھوں پر عظیم ذمہ داری ہے۔ آپ پر سوال ہوگا۔ بڑا سخت سوال ہوگا۔ آپ کو حساب دینا ہوگا۔ اُس حاکم الحاکمین کے روبرو کہ "خدا سُود کو نابود (یعنی بے برکت کرتا) اور خیرات (کی برکت کو) بڑھاتا ہے" آپ کو روپے کو موجودہ نظامِ زر کی سُود کی گردش سے آزاد کرانا ہے۔

پاکستان کا وہ روپیہ جو فکسڈ ڈیپازٹ کی شکل میں نظام زر کی فولادی تجوریوں میں بند پڑا ہے۔ اُسے بھی گردش میں میں لانے کا انتظام کرنا ہوگا تاکہ احتیاج مٹ سکے تاکہ کوئی حاجت مند نظامِ زر کے غزنویوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔

ایک ضرب اور بھرپور ضرب۔

ایاز نظام زر پر کاری ضرب کا منتظر ہے "اے ایمان والو سود نہ کھاؤ (کہ اصل میں مل کر) دُگنا، چوگنا ہوتا چلا جائے"۔

بقیہ: فلسطینی انقلاب کی ساتویں سالگرہ

عوام سے ملتا ہے جو سامراج اور جارحیت کے خلاف اپنی آزادی اور خودمختاری کے لئے لڑ رہے ہیں خصوصاً یہ اریٹریا دو فار اور خلیج عرب کے عرب عوام سے بہت قریب ہے، عرب عوام کی تمام انقلابی جدوجہد ایک دوسرے کے ساتھ مل کر زیادہ موثر اور زیادہ مستحکم ثابت ہو گی۔ اور ان کا یہ اتحاد آخری فتح تک قائم رہے گی

فلسطینی انقلاب پاکستان کے مسلم بھائیوں کے ساتھ ہے جو اپنی وحدت اور علاقائی سالمیت کی جائز جدوجہد میں مصروف ہیں اور اس بات کی پوری امید کرتا ہے کہ پاکستانی عوام بہت جلد اپنے مسائل پر قابو پانے کے بعد فاتح کی صورت میں جلوہ فگن ہونگے

فلسطینی انقلاب دنیا بھر کے مظلوم، محکوم اور انقلابی عوام کے انقلاب کا ایک حصہ ہے۔ وہ ویت نام لاؤس کمبوڈیا اور ایشیا کے دیگر ممالک کے علاوہ افریقہ اور لاطینی امریکہ کے انقلابی عوام کے ساتھ ہے جو سامراجی قوتوں سے ٹکرا لے رہے ہیں۔

آخری فتح دنیا بھر کے انقلابی عوام کی ہو گی'

بقیہ: ــــ اداریہ

آج کل ہڑتالیں، جلسے اور جلوس مالکان کے فائدے میں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ حکومت مزدوروں کو جو مراعات دینا چاہتی ہے، وہ انہیں نہ ملے اور وہ بہانہ بنا کر کارخانوں میں تالہ ڈالنے کی ذمہ داری مزدوروں اور صنعتی بدامنی پر ڈال دے۔ وہ یقیناً اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ایسے حالات پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کرینگے

اس میں جہاں عوام دوست مزدور کارکن، رہنما اور عام مزدور مثبت کردار ادا کریں گے وہاں حکومت پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ برطرف شدہ ملازمین کو بحال کرنے کے فوری احکامات جاری کرے۔ سوشل سیکورٹی اسکیم کی کٹوتی میں تخفیف یا کمی کرے اور مالکان کی چالوں پر کڑی نظر رکھے ایسا نہ ہوا تو مخالف طاقتیں بے روزگاروں کے مسئلہ کو صنعتی بدامنی کے لئے استعمال کریں گی اور ایسے حالات میں بے روزگاروں اور مالکان کے جبر و زیادتی کا شکار ہونے والوں کی مدد کرنا ہر ایک کا اخلاقی اور بنیادی فرض بھی ہو گا۔

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
6 - 13, JANUARY - 1972

فوجی بھائیوں کے لئے

اطلاع

"بوستانِ رضا" واقع متصل سیکیورٹی پیپرز ملز، ملیر کراچی میں ہمارے جن جانباز اور وفاشعار فوجیوں نے پلاٹ بک کراتے ہیں اُن کے اہلِ خاندان کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر کسی بھی طرح سے انہیں کوئی مالی پریشانی ہو تو فوراً "سلمان لمیٹڈ" کے دفتر فون ۵۱۶۳۸۹ پر اطلاع دیں اور اس بات کی کوئی فکر نہ کریں کہ اُن کے سرپرست اس وقت یہاں موجود نہیں۔ ہم اُن کی ہر پریشانی میں شریک ہیں۔ ایسے تمام بھائیوں کے اہلِ خاندان کو فرداً فرداً خطوط بھی بھیجے گئے ہیں

"سلمان لمیٹڈ" کا دفتر صبح دس بجے سے شام پانچ بجے تک کھُلا رہتا ہے۔ رہائشی پلاٹوں کے سلسلہ میں جن افراد نے ہمارے سوالنامے پُر کر کے بھیجے ہیں اُن سب سے درخواست ہے کہ وہ معہ اتوار کے مندرجہ بالا اوقات میں ایک مرتبہ ضرور تشریف لائیں تاکہ اُنھیں "اسپیشل ریزرویشن اسکیم" کی تفصیلات بتائی جاسکیں۔ اس اسکیم میں تعمیر مکان کے لئے قرضہ کی سہولت اور شادی وغیرہ کے سلسلے میں بھی قرضے کی سہولت رکھی گئی ہے "بوستانِ رضا" میں کچھ پلاٹ ابھی باقی ہیں، جلد رجوع کریں۔ ایسا موقع پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔ اس بستی میں مجسٹریٹ صاحبان وکلاء، شاعر، ادیب، پروفیسر، ڈاکٹر، پی آئی اے اور سول ایوی ایشن کے کارندوں نے پلاٹ بُک کرائے ہیں جن سے اس مجوزہ بستی کے نکھار کا اندازہ ہو سکتا ہے

سلمان لمیٹڈ

۱۱۴ محبوب چیمبرز - صدر - کراچی
فون ——— 516389